حج کے بغیر حج کاثواب

فرض نمازوں کے بعد کے اذکار:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ :جَاءَ الفُقَرَاءُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالُوا :ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ مِنَ الأَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ العُلاَ، وَالنَّعِيمِ المُقِيمِ يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، **وَلَهُمْ فَضْلٌ مِنْ أَمْوَالٍ يَحُجُّونَ بِهَا** ، وَيَعْتَمِرُونَ، وَيُجَاهِدُونَ، وَيَتَصَدَّقُونَ، قَالَ :أَلاَ أُحَدِّثُكُمْ إِنْ أَخَذْتُمْ أَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ أَحَدٌ بَعْدَكُمْ، وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ أَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِ إِلَّا مَنْ عَمِلَ مِثْلَهُ تُسَبِّحُونَ وَتَحْمَدُونَ و تُكَبِّرُونَ خَلْفَ كُلِّ صَلاَةٍ ثَلاَثًا وَثَلاَثِينَ ، فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا، فَقَالَ بَعْضُنَا :نُسَبِّحُ ثَلاَثًا وَثَلاَثِينَ، وَنَحْمَدُ ثَلاَثًا وَثَلاَثِينَ، وَنُكَبِّرُ أَرْبَعًا وَثَلاَثِينَ، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ :تَقُولُ :سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالحَمْدُ لِلَّهِ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، حَتَّى يَكُونَ مِنْهُنَّ كُلِّهِنَّ ثَلاَثًا وَثَلاَثِينَ

صحابی رسول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نادارلوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ امیر ورئیس لوگ بلند درجات اور ہمیشہ رہنے والی جنت حاصل کر چکے حالانکہ جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور جیسے ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں لیکن **مال ودولت کی وجہ سے انہیں ہم پرفوقیت حاصل ہے کہ اس کی وجہ سے وہ حج کرتے ہیں۔** عمرہ کرتے ہیں۔ جہاد کرتے ہیں اور صدقے دیتے ہیں (اور ہم محتاجی کی وجہ سے ان کاموں کونہیں کر پاتے) اس پر آپ نے فرمایا کہ لو میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاتا ہوں کہ اگر تم اس کی پابندی کروگے تو جولوگ تم سے آگے بڑھ چکے ہیں انہیں تم پالوگے اور تمہارے مرتبہ تک پھر کوئی نہیں پہنچ سکتا اور تم سب سے اچھے ہوجاؤ گے سوا ان کے جو یہی عمل شروع کردیں ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ تسبیح (سبحان اللہ) تحمید (الحمدللہ) تکبیر (اللہ اکبر) کہا کرو۔ پھر ہم میں اختلاف ہوگیا کسی نے کہا کہ ہم تسبیح تینتیس مرتبہ، تحمید تینتیس مرتبہ اور تکبیر چونتیس مرتبہ کہیں گے۔ میں نے اس پر آپ سے دوبارہ معلوم کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبحان اللہ اور الحمدللہ اور اللہ اکبر کہو۔ تاآنکہ ہر ایک ان میں سے تینتیس مرتبہ ہوجائے۔[صحیح بخاری رقم ٨٤٣]۔

مسجد میں دین سیکھانا یا سیکھنا:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ، كَانَ لَهُ كَأَجْرِ حَاجٍّ تَامًّا حِجَّتُهُ

صحابی رسول ابوامامہ اللہ کے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جوشخص مسجد آئے اور اس کا ارادہ دین سیکھنے یا دین سکھانے کا ہو تو اسے **مکمل حج کا ثواب ملے گا**[المعجم الکبیر للطبرانی:٧٤٧٣ وصححه الالبانی فی صحیح الترغیب للالبانی رحمه الله رقم٨٦]۔

باوضو ہوکر مسجد میں فرض یا نفل نماز کے لئے آنا:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ :مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا إِلَى صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ فَأَجْرُهُ **كَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ**، وَمَنْ خَرَجَ إِلَى تَسْبِيحِ الضُّحَى لَا يَنْصِبُهُ إِلَّا إِيَّاهُ فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ الْمُعْتَمِرِ، وَصَلَاةٌ عَلَى أَثَرِ صَلَاةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِي عِلِّيِّينَ

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اپنے گھر سے وضو کرکے فرض نماز کے لیے نکلتا ہے تو اس کا اجر وثواب ایسے ہے جیسے کہ حاجی احرام باندھے ہوئے آئے اور جوشخص چاشت کی نماز کے لیے نکلے اور اس مشقت یا اٹھ کھڑے ہونے کی غرض صرف یہی نماز ہو تو ایسے آدمی کا ثواب عمرہ کرنے والے کی مانند ہے۔ اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کہ ان دونوں کے درمیان کوئی لغو نہ ہو علیین میں اندراج کا باعث ہے۔[سنن أبی داود : رقم ٥٥٨ واسناده حسن]۔

ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی

ماہنامہ

اہل السنة
ممبئی

سالانہ -/200	ستمبر / اکتوبر	جلد:۲
فی شمارہ -/20	۲۰۱۳ء	شمارہ:۲۴

چیف ایڈیٹر
فضیلۃ الشیخ رضاء اللہ عبد الکریم مدنی

ایڈیٹر
ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی

جوائنٹ ایڈیٹر
سرفراز فیضی

اسسٹنٹ ایڈیٹر
شفیق محمدی

سی ، ای ، او
زید خالد پٹیل

آرٹ ڈائریکٹر
اقبال شیخ

گرافک ڈیزائنر
عبد الصمد شیخ

Owner / Printer / Publisher
Saad Khalid Patel

Printed at
Bhandup Offset & Designers,
1009 Bhandup Indl.. Estate,
Pannalal Compound, L.B.S. Marg,
Bhandup (W), Mumbai - 400078.

Published at
106 Fateh Manzil, 4th Floor,
Victoria Road,Sant Savta Marg,
Mustafa Bazar,
Mumbai - 400010
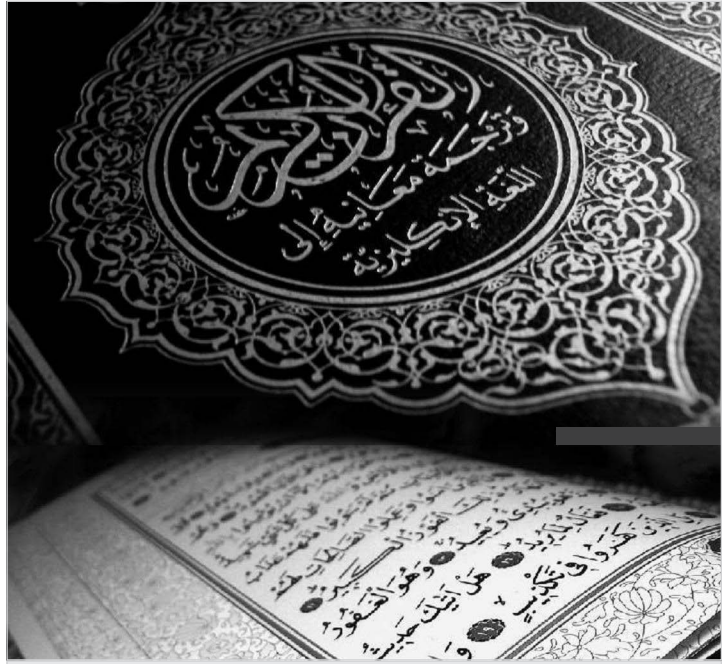
قرآنی آیات کا جواب

مقتدی حضرات کا امام کی قرأت کے دوران بعض آیات کا جواب دینا اس تعلق سے سرے سے کوئی دلیل ہے ہی نہیں ، جہاں تک منفرد کی بات ہے تو اس کے تعلق سے صرف اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ نفل نمازوں میں عمومی طور پر تسبیح وتعوذ والی آیات کا جواب دے سکتا ہے،فرض نمازوں میں صرف امام کے تعلق سے جواب دینے کے لئے محض بعض آثار ہی ملتے ہیں، مگر یہ دلائل کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ یہ بھی اجتہاد وقیاس کے قبیل سے ہیں،اوراس لئے قابل عمل نہیں ہیں، کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بابت کچھ بھی منقول نہیں ،اگر یہ بات درست ہوتی اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی ہوتی ،تو خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اس بارے میں ہم تک ضرور منقول ہوجاتا۔

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ :

Islamic Information Center
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070.
Email: ahlussunnaa@gmail.com • **Website**: ahlussunnah.in
Ph. 32198847 / 26 500 400 / 64269999

Islamic Information Center Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی

ایڈیٹر

اللہ رب العالمین تمام جہانوں کا مالک ہے اسے ہر چیز کا اختیار ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے کوئی اسے ٹوک نہیں سکتا:

﴿لا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ﴾ [الأنبياء: ۲۳].

اللہ جو کچھ کرتا ہے اس بارے میں اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

معلوم ہوا کہ اللہ تبارک تعالی کسی کو جواب دہ نہیں وہ جو چاہے کرسکتا ہے اس کے خلاف کوئی بھی آواز نہیں اٹھا سکتا اس کے باوجود بھی اللہ تعالی کا فرمان دیکھیں:

''سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کیا، اللہ نے فرمایا: اے میرے بندو! **میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا اور تم پر بھی حرام کیا، پس تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔** اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر جس کو میں راہ بتلاؤں پس تم مجھ سے راہنمائی طلب کرو میں تمہاری راہنمائی کروں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو مگر جس کو میں کھلاؤں۔ پس تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو مگر جس کو میں پہناؤں۔ پس تم مجھ سے کپڑا مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم میرا نقصان نہیں کرسکتے اور نہ مجھے فائدہ پہنچا سکتے ہو اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور آدمی اور جنات، سب ایسے ہو جائیں جیسے تم میں بڑا پرہیزگار شخص ہو تو میری سلطنت میں کچھ اضافہ نہ ہوگا اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور آدمی اور جنات سب ایسے ہو جائیں جیسے تم میں سے سب سے بڑا بدکار شخص ہو تو میری سلطنت میں سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور آدمی اور جنات، سب ایک میدان میں کھڑے ہوں، پھر مجھ سے مانگنا شروع کریں اور میں ہر ایک کو جو وہ مانگے دے دوں، تب بھی میرے پاس جو کچھ ہے وہ کم نہ ہوگا مگر اتنا جیسے دریا میں سوئی ڈبو کر نکال لو (تو دریا کا پانی جتنا کم ہو جاتا ہے اتنا بھی میرا خزانہ کم نہ ہوگا، اس لئے کہ دریا کتنا ہی بڑا ہو آخر محدود ہے اور میرا خزانہ بیانتہا ہے۔ پس یہ صرف مثال ہے)۔ اے میرے بندو! یہ تو تمہارے ہی اعمال ہیں جن کو تمہارے لئے شمار کرتا رہتا ہوں، پھر تمہیں ان اعمال کا پورا بدلہ دوں گا۔ پس جو شخص بہتر بدلہ پائے تو چاہئے کہ اللہ کا شکر ادا کرے (کہ اس کی کمائی بیکار نہ گئی) اور جو برا بدلہ پائے تو اپنے تئیں برا سمجھے (کہ اس نے جیسا کیا ویسا پایا)'' [صحیح مسلم رقم ۶۷۳۷]۔

اس حدیث قدسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العالمین کے نزدیک ظلم کرنا کتنا بڑا پاپ ہے کہ اللہ تعالی اپنے حوالہ سے کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنے آپ پر اسے حرام کر رکھا ہے یعنی ظلم سے دور رہنا ایک ایسا قانون ہے جس کی پابندی اللہ بھی کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالی کسی بھی قانون کا پابند نہیں۔

اللہ تعالی نے یہ بات کہہ کر اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ طاقت وقوت ملنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسروں پر ظلم کرو۔ اللہ سے بڑھ کر طاقت وقوت کا مالک کوئی نہیں ہے پھر بھی اللہ تعالی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

حدیث کے اگلے حصہ میں بڑے ہی جامع الفاظ میں اللہ تعالی نے انسانوں کو انسان بننے کا حکم دیا ہے اور حدیث کے اخیر میں ایمان بالآخرت اور جزاء وسزا کا عقیدہ دیا ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے بالخصوص جب اسے طاقت وقوت مل جائے تو اسے اپنے مفاد کے علاوہ کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ کمزور

وزبردست کووہ کیڑوں اور مکوڑوں کی طرح مسلتا جاتا ہے۔

ظلم وبربریت اللہ کے نزدیک کتنا بڑا گناہ ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالی ظلم کی وجہ سے اپنے بعض اصولوں کوتوڑ دیتا ہے۔مثلا اللہ تعالی کا اصول ہے کہ اللہ کافرومشرک کا کوئی عمل اوران کی کوئی عبادت قبول نہیں کرتا لیکن جب ظلم کی بات آتی ہے اورکسی پرظلم ہوتا ہے اوروہ اللہ کو پکارتا ہے تو خواہ وہ مشرک وکافر ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالی اس کی پکارودعاءسن لیتا ہے۔ارشاد ہے:

اتَّقُوا دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، وَإِنْ كَانَ كَافِرًا، فَإِنَّهُ لَيْسَ دُونَهَا حِجَابٌ

مظلوم کی بدعا سے بچو چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس کی پکار اوراللہ کے سننے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی[مسنداحمد:۱۵۳/۳، الصحیحہ رقم ۷۶۷]۔

غورکریں کہ اللہ کے نزدیک ظلم کتنا بڑا پاپ ہے کہ کسی کافر پربھی ظلم ہوتو اللہ اس کی آہ سن لیتا ہے حالانکہ خوداللہ کا اعلان ہے:

﴿وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾

یعنی کفار کی دعائیں بےکار ہیں۔[۱۳/الرعد۱۴]۔

اسی طرح وہ تمام آیات واحادیث بھی پیش نظر رکھیں جن میں شرک وکفر کی وجہ سے اعمال وعبادات کو باطل قرار دیا گیا ہے اوردعاءایک اہم عبادت ہے، بلکہ دعاءہی اصل عبادت ہے[ابوداؤدرقم ۱۴۷۹ وسندہ صحیح]۔

ظلم وبربریت سے متعلق ایک اہم بات سب کے علم میں ہونی چاہئے وہ یہ کہ اللہ تعالی ظالم کے ظلم کی سزاء اسی دنیامیں ہی دے کررہتا ہے حدیث ہے:

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ :مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللَّهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ، مِنَ الْبَغْيِ، وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ

ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ظلم اورقطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کی سزاءاللہ تعالی دنیامیں بھی جلدی دے دیتا ہے جبکہ اس کے ساتھ اس کے لئے آخرت کاعذاب بھی تیاررکھتا ہے[ابن ماجه مترجم رقم ٤٢١١]۔

معلوم ہوا کہ ایک ظالم شخص کوآخرت میں اس کے مظالم کی سزاء تو ملے گی ہی اس کے ساتھ ساتھ دنیامیں بھی مرنے سے پہلے اسے اپنے ظلم کی سزامل کررہے گی۔

یہ اور بات ہے ظالم لوگ ظلم کی اس سزاءکو پہچان نہ سکیں یا اسے حادثہ یامحض اتفاق سمجھیں کیونکہ اللہ کی لاٹھی جب پڑتی تو بولتی نہیں کہ یہ تیرے کس جرم کی سزاء ہوں۔اسی لئے کہتے ہیں کہ اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔نتیجہ یہ ہوتا کہ ظالم پٹتا رہتا ہے اوراللہ کی لاٹھی اس پر برستی رہتی ہے اوروہ اس قدرعقل وشعور سے محروم ہوجاتا ہے کہ اللہ کے عذاب کو پہچان بھی نہیں سکتا۔

دنیا چھوڑنے کے بعد پہلی منزل قبر ہے یہاں پرظالموں پراللہ کی لاٹھیاں برسیں گی۔بلکہ ظالم تو دورکی بات ان لوگوں پربھی قبر میں درے پڑیں گے جنہوں نے گرچہ خودظلم نہیں کیا لیکن ظلم کو خاموش تماشائی بن کرکے دیکھتے رہے اورمظلوم کی کوئی مددنہ کی۔حدیث ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: أُمِرَ بِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ أَنْ يُضْرَبَ فِي قَبْرِهِ مِائَةَ جَلْدَةٍ، فَلَمْ يَزَلْ يَسْأَلُ وَيَدْعُو حَتَّى صَارَتْ جَلْدَةً وَاحِدَةً، فَجُلِدَ جَلْدَةً وَاحِدَةً، فَامْتَلَأَ قَبْرُهُ عَلَيْهِ نَارًا، فَلَمَّا ارْتَفَعَ عَنْهُ قَالَ: عَلَامَ جَلَدْتُمُونِي؟، قَالُوا :إِنَّكَ صَلَّيْتَ صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُورٍ , وَمَرَرْتَ عَلَى مَظْلُومٍ فَلَمْ تَنْصُرْهُ

صحابی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے اللہ کے نبی ﷺ سے نقل کیا کہ: اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے بارے میں حکم دیا گیا کہ قبرمیں اسے سوکوڑے مارے جائیں تووہ برابر گڑگڑاتا رہا یہاں تک کہ یہ سزاءایک کوڑے کردی گئی، پھر جب اسے ایک کوڑا مارا گیا تو اس ایک کوڑے سے ہی اس کی پوری قبرآگ سے بھر گئی۔پھر جب افاقہ ہوا تو اس نے پوچھا: تم نے مجھے کوڑے کیوں مارے: فرشتے جواب دیتے ہیں: کہ تو نے ایک نماز بغیر طہارت کے پڑھی تھی اور ایک بار تو ایک مظلوم شخص کے پاس سے گذررہا تھا لیکن تو نے اس کی مددنہ کی[شرح مشکل الآثار: ۲۱۲/۸]۔

الغرض یہ کہ ظلم بہت ہی خوفناک گناہ ہے، اللہ ظلم کرنے والے کودنیا، برزخ اورآخرت تینوں جگہ عذاب سے دوچار کرتا ہے یہ اور بات ہے دنیا میں اس عذاب میں لوگ مبتلا توہوتے ہیں لیکن پہچان نہیں پاتے کیونکہ اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔۔۔

ابوالفوزان السنابلی۔

نعمتوں کی قدر کیسے؟(۲)

سہیل احمد رحمانی[آئی،آئی،سی]

☆وَ شَبَابَکَ قَبلَ هَرَمِکَ☆

چوتھی عظیم نعمت جوانی ہے جواللہ انسانوں کوعطاء کرتا ہے۔ جوقوت وطاقت جوانی میں ہوتی ہے۔ وہ بچپن اور بڑھاپے میں نہیں ہوتی ہے جس جذبے اورقوت سے ایک انسان جوانی میں عبادت کرسکتا ہے اتنا بڑھاپے میں نہیں ،جومحنت ومشقت انسان جوانی میں کرسکتا ہے وہ بڑھاپے میں نہیں کرسکتا۔اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے اس جوان شخص کوعرش کے سائے کی خوشخبری سنائی ہے جواپنی جوانی کی قدر کرتا ہے اوراپنی جوانی کورب کی عبادت وبندگی میں گزارتا ہے جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشادفرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ " : سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ يَوْمَ القِيَامَةِ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ : إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ فِي خَلاَءٍ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي المَسْجِدِ، وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ إِلَى نَفْسِهَا، قَالَ :إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا صَنَعَتْ يَمِينُهُ "

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشادفرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے آدمیوں کواپنے سایہ میں لے گا جس دن کہ اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا،امام عادل اوروہ **جوان جس نے اپنی جوانی اللہ کی راہ میں صرف کی ہو** اور وہ مرد جس نے اللہ کوتنہائی میں یادکیااوراس کی آنکھوں سے آنسوجاری ہوگئے،اوروہ آدمی جس کا دل مسجد میں لگارہتا ہے اوروہ دو آدمی جوآپس میں خدا کے لئے محبت کریں اوروہ جسے کوئی خوبصورت اور منصب والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں،اوروہ جواس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کوخبر نہ ہوکہ دائیں ہاتھ نے کیادیا ہے۔[صحیح بخاری:حدیث نمبر ٦٨٠٦،ص:١٦٤].

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے جوانی میں عبادت کرنے والے کی فضیلت کو واضح کیا ہے کیونکہ اکثر لوگ جوانی میں ہی رب العالمین کے حکموں کوتوڑتے ہوئے خوف نہیں کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے معاشرے کے بہت سے نوجوان لڑکے جب جوانی کوپہنچتے ہیں تواپنی جوانی کوعبادت میں گزارنے کے بجائےفلم بینی،انٹرنیٹ سرفنگ اورسوشل نٹورک پرچیٹنگ ،سگریٹ نوشی،غنڈاگردی مارپیٹ، گالی گلوج، فحش کلامی، زناکاری جیسے عظیم گناہ کاارتکاب کرتے ہیں اور جوہمارے معاشرے کی نوجوان لڑکیاں ہوتی ہیں وہ تو اپنی پوری جوانی فیشن ، انٹرنیٹ سرفنگ اورٹی ،وی سیریل دیکھنے میں گزاردیتی ہیں اوراپنی آخرت کو بربادکرلیتی ہیں۔اس قسم کے گناہوں کے مرتکب لوگ آخرت میں نور سے محروم ہوجائیں گے کیونکہ نبی ﷺ نے اس شخص کونور کی خوشخبری دی ہے جودنیا میں اپنی جوانی کواسلام کے حکموں کے مطابق گزارے۔جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشادفرمایا:

عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الجَعْدِ، أَنَّ شُرَحْبِيلَ بْنَ السِّمْطِ، قَالَ :يَا كَعْبُ بْنَ مُرَّةَ، حَدِّثْنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحْذَرْ، قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ القِيَامَةِ. کعب بن مرہ سے عرض کیا

کہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی کوئی حدیث سنائیں اور اس میں ترمیم واضافہ سے احتیاط کریں۔ انہوں نے کہا میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوگا تو یہ بڑھاپا اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔[جامع ترمذی :جلد اول :حدیث نمبر 1702،الصحیحۃ .1244]

یعنی انسان نے عبادت شروع کی اپنے بلوغت کے بعد بھی اور عبادت کرتا رہا یہاں تک بوڑھا ہوگیا، تو اللہ رب العزت اسے نور عطاء کرے گا۔

اسی طرح قیامت کے دن انسان کے قدم میدان محشر سے جنبش نہیں کر پائیں گے جب تک کہ ابن آدم سے پانچ نعمتوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے۔ ان میں سے اہم نعمت جوانی ہوگی، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ.

قیامت کے روز ابن آدم کے قدم اس کے رب کے پاس سے اس وقت تک نہیں ہل سکتے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے۔ اس کی عمر کے تعلق سے کہ اسے کس چیز میں گنوایا؟ اور اس کی جوانی کے تعلق سے کہ اسے کہاں گزارا؟ اور اس کے مال کے تعلق سے کہ اسے کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور جو علم حاصل کیا اس پر کتنا عمل کیا؟ [ترمذی :حسن :صحیح الجامع :۷۲۹۹]۔

کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی جوانی کو حرام چیزوں میں ضائع کر دیتے ہیں اور انہیں کچھ احساس نہیں ہوتا۔ احساس اس وقت ہوتا ہے جب اسکی ہڈیاں کمزور ہو چکی ہوتی ہیں ایسے وقت میں عبادت تو دور کی بات کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا بھی اس کے لئے پریشانی کا سبب بنا رہتا ہے کیونکہ جوانی میں یہی چیزیں برابر اس کا ساتھ دیتی تھیں لیکن اب بڑھاپے نے وہ تمام قوت وتوانائی کو ختم کر دیا اور بستر پر مرگ لا چھوڑا۔ اسی لئے نبی ﷺ نے انسان کی رہنمائی کی ہے کہ اے انسان تو جوانی کو غنیمت جان لے اس سے پہلے کہ تو بوڑھا ہو جائے۔

☆وَ غِنَاکَ قَبلَ فَقرِکَ☆

پانچویں عظیم نعمت مالداری ہے۔ قرآن وحدیث میں اسکی بڑی فضیلت وارد ہے جبکہ اس مال کو صحیح جگہ خرچ کیا جائے۔ اور جو انسان مال کماتا ہے اور اللہ رب العزت کے راستے میں خرچ کرتا ہے وہ انسان اللہ کی نگاہ میں متقی اور پرہیزگار ہے اور بعض دفعہ یہی نعمت رب العالمین کی جانب سے انسانون کو آزمائش کے طور پر بھی عطاء کی جاتی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے خود مال کو اپنی امت کا فتنہ قرار دیا ہے، اگر وہ مال انسان کو اللہ کی عبادت وبندگی سے غافل کرے، جیسا کہ حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ فِيْ مَالِ الرَّجُلِ فِتْنَةً وَفِيْ زَوْجَتِهٖ فِتْنَةً وَوَلَدِهٖ.

بے شک ایک آدمی کے مال ودولت کے اندر فتنہ ہے (آزمائش) ہے، اسی طرح سے اس کے بیوی اور بچوں کے اندر بھی فتنہ ہے(معجم الکبیر لطبرانی)(صحیح)صحیح الجامع:2137 ۔)

ایک اور حدیث میں کعب بن عیاضؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَ اِنَّ فِتْنَةَ اُمَّتِيْ اَلْمَالُ.

کہ ہر امت کیلئے کوئی نہ کوئی چیز فتنہ ہوتی ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔(ترمذی ،حاکم)(صحیح) صحیح الجامع:2148 ۔)

ان دونوں حدیثوں میں نبی ﷺ نے مال کو فتنہ کہا ہے۔ اب اس جملے سے کوئی شخص یہ بات نہ اخذ کرے کہ مال کمانا حرام ہے بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مال عبادت سے دوری کا ایک بہت ہی بڑا سبب بن سکتا ہے۔

اس لئے اگر ایک انسان کے پاس مال ہو، اور وہ اس کو صحیح جگہوں پر خرچ کرتا ہو تب تو ٹھیک ہے ورنہ وہی مال اسکے لئے وبال جان بن سکتا ہے اور اگر فضول خرچ میں ملوث ہوا، تو بعد میں اسے بہت افسوس وندامت ہوگا جب اسکے پاس مال نہیں ہوگا اور قیامت کے دن تو پوری دنیا کی دولت دیکر بھی کوئی رب کے عذاب سے چھوٹنا چاہے تو چھوٹ نہیں سکتا ہے۔

پھر بھی آج معاشرے میں کتنے ہی ایسے مالدار ہیں جو عیش وعشرت کی زندگی گزارتے ہیں دنیاوی معاملے میں لاکھوں ،کروڑوں خرچ

کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں چاہے وہ شادی کی رسم ہو یا نئی کار اور موبائیل یا پکنک منانا ہو یا فلم بینی کرنا ہو۔ ایک مسلمان بہت آسانی سے ان چیزوں پر بے دریغ پیسے خرچ کرتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے لیکن اگر اسے وہی مال کسی مسجد و مدرسہ یا اللہ کے راہ میں خرچ کرنے تلقین کی جائے، تو یہ بخیلی ظاہر کرتا ہے کہ ابھی بجٹ نہیں ہے، ابھی کام برابر نہیں چل رہا ہے، کچھ بزنس میں loss ہو گیا ہے۔ لیکن وہی بجٹ کی شکایت کرنے والا جب بیٹی کی شادی کرتا ہے تو شادی میں بوفے سسٹم رکھنے کے لئے بجٹ مہیا کر لیتا ہے اور بعض دفعہ تو فضول خرچ کرنے میں قرض بھی لینے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے جبکہ فضول خرچ کرنے والے شریعت کی نگاہ میں شیطان کے بھائی ہوتے ہیں، اور شیطان تو رحمان کا نافرمان بندہ ہے اور شیطان کا کام ہی یہ ہے کہ انسانوں سے جھوٹے وعدے اور بے حیائی کے کام کرائے، جیسا کہ بندہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بارے میں سوچتا ہے تو شیطان اکثر اسکے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے، کہ تو خرچ مت کر ورنہ فقیر ہو جایگا، تو ابھی گناہ کر لے اللہ تو غفور رحیم ہے معاف کر دیگا) جیسا کہ اللہ رب العزت نے شیطان کے اس وعدے اور دھوکے کا ذکر کیا ہے جو وہ انسان سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ .

شیطان تمہیں (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکنے کے لئے) تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت وسعت والا خوب جاننے والا ہے [سورۃ البقرۃ ۲۶۸]

اور اللہ کے رسول ﷺ نے مالداری کی حقیقت کو ذکر کیا ہے کہ اصل مالداری کیا ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ الْغِنىٰ عَنْ كَثْرَةِ الْعَرْضِ وَلَكِنَّ الْغِنىٰ غِنَى النَّفْسِ.

مالداری بہت زیادہ دولت کا ہونا نہیں ہے بلکہ اصل مالداری دل کی مالداری ہے۔ [صحیح بخاری:8453،صحیح مسلم،ترمذی ،ابن ماجہ ،مسند احمد۔صحیح الجامع:5377۔]

اسی طرح ایک اور روایت میں اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی وضاحت سے مالداری کی تعریف کی ہے جیسا کہ ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

اَلْغِنىٰ فِي الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فِي الْقَلْبِ مَنْ كَانَ الْغِنىٰ فِي قَلْبِهٖ لَا يَضُرُّهٗ مَا لَقِيَ مِنَ الدُّنْيَا وَمَنْ كَانَ الْفَقْرُ فِيْ قَلْبِهٖ فَلَا يُغْنِيْهِ مَا اَكْثَرَ مِنَ الدُّنْيَا وَاِنَّمَا يَضُرُّ نَفْسَهٗ شُحُّهَا.

مالداری دل کی مالداری ہے اور فقیری دل کی فقیری ہے، جس کے دل میں مالداری ہو اسے دنیا کی کوئی بھی پریشانی تکلیف نہیں پہونچا سکتی، اور جس کے دل میں فقیری ہو اسے دنیا کی چیزیں خواہ کتنی ہی کیوں نہ حاصل ہو جائے اسے بے نیاز نہیں کر سکتی، بلکہ اس کے نفس کو اس کی بخیلی ہی نقصان پہونچائے گی۔

کیونکہ ایسا آدمی جسکو اللہ نے مال دیا ہو تو حسد (رشک) بھی کر سکتا ہے جب کہ وہ اسے اچھی جگہوں میں خرچ کر رہا ہو جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن ابن مسعود ـ رضى الله عنه ـ قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول " لا حسد إلا فى اثنتين رجل آتاه الله مالا فسلطه على هلكته فى الحق، ورجل آتاه الله حكمة فهو يقضى بها ويعلمها "

. عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حسد (رشک) کرنا صرف دو ہی آدمیوں کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے۔ ایک تو اس شخص کے ساتھ جسے اللہ نے مال دیا اور اسے حق اور مناسب جگہوں میں خرچ کرنے کی توفیق دی۔ دوسرے اس شخص کے ساتھ جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (عقل علم قرآن وحدیث اور معاملہ فہمی) دی اور وہ اپنی حکمت کے مطابق حق فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔ [حدیث نمبر۔۱۴۰۹]

اس لئے ہمارے لئے بھلائی اسی بات میں ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں کو غنیمت جانیں انکے ضائع ہونے سے پہلے تاکہ عنداللہ ہمارا شمار شاکرین میں سے ہو اور شیطان کی گمراہی سے ہم دور رہ سکیں۔ آخیر میں اللہ سے دعاء ہے کہ ہم نعمتوں قدر کی توفیق عطا کرے۔

(ختم شد)

ابن حبان رحمه الله کی توثیق کے درجات

ابوالفوزان

سوال

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

علامہ معلّمی نے جو امام ابن حبان کی توثیق کی پانچ اقسام بیان کی ہیں، وہ کہاں تک صحیح ہے؟ ان سے پہلے بھی کسی نے اس طرح کیا ہے؟

محدثین نے تو انہیں مجہول کی توثیق میں مطلقا متساہل قرار دیا ہے اور علامہ معلّمی سے پہلے کسی نے اسے اقسام میں تقسیم نہیں کیا۔ بلکہ ایک راوی عمرو بن الحارث بن الضحاک کے متعلق امام ابن حبان الثقات میں فرماتے ہیں کہ وہ مستقیم الحدیث ہے۔ یعنی علامہ معلّمی کے اصول کے مطابق یہ پہلے درجے کی توثیق ہے اور معتبر ہے۔

لیکن اس کے باوجود امام ذہبی اور امام ابن حجر نے متفقہ طور پر اس راوی کو مجہول قرار دیا، اور انہوں نے ابن حبان کی توثیق پر کوئی توجہ نہیں دی! چنانچہ امام ذہبی اس کے متعلق میزان میں فرماتے ہیں:

تفرد بالرواية عنه إسحاق بن إبراهيم زبريق، ومولاة له اسمها علوة، فهو غير معروف العدالة، وابن زبريق ضعيف"

اور حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں:

''مقبول''

جبکہ یہ دونوں ابن حبان کی توثیق سے اچھی طرح واقف تھے۔

جواب

علامہ معلّمی رحمہ اللہ نے جو بات کہی ہے ہمارے نزدیک وہ صد فی صد درست ہے۔

علامہ معلّمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد أكثر الأستاذ من رد توثيق ابن حبان، والتحقيق أن توثيقه على درجات،

الأولى: أن يصرح به كأن يقول كان متقنا أو مستقيم الحديث أو نحو ذلک.

الثانية: أن يكون الرجل من شيوخه الذين جالسهم وخبرهم.

الثالثة: أن يكون من المعروفين بكثرة الحديث بحيث يعلم أن ابن حبان وقف له على أحاديث كثيرة.

الرابعة: أن يظهر من سياق كلامه أنه قد عرف ذاک الرجل معرفة جيدة.

الخامسة: ما دون ذلک.

فالأولى لا تقل عن توثيق غيره من الأئمة بل لعلها أثبت من توثيق كثير منهم، والثانية قريب منها، والثالثة مقبولة، والرابعة صالحة، والخامسة لا يؤمن فيها الخلل. والله أعلم. [التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل:٢/٦٦٩]۔

زاہد کوثری نے ابن حبان رحمہ اللہ کی توثیق کو بکثرت رد کیا ہے حالانکہ تحقیقی بات یہ ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ کی توثیق کے الگ الگ درجات ہیں:

اول: ابن حبان صراحت کے ساتھ توثیق کریں مثلا، یہ کہیں کہ فلاں ''متقن'' ہے یا ''مستقیم الحدیث'' ہے۔

دوم: راوی ابن حبان رحمہ اللہ کے ان شیوخ میں سے ہو جن کے ساتھ ابن حبان رحمہ اللہ رہے ہوں اور ان سے اچھی طرح واقف ہوں۔

سوم: راوی بکثرت احادیث روایت کرنے میں اس قدر معروف ہو جس سے ظاہر ہو کہ ابن حبان رحمہ اللہ کو اس کی بہت ساری مرویات سے واقفیت تھی۔

چہارم: سیاق وسباق سے پتہ چلے کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے راوی کو اچھی طرح پہانتے تھے۔

پنجم: ایسی توثیق جس کے ساتھ درج بالا باتیں نہ ہوں۔

تو پہلے درجہ کی توثیق دیگر ائمہ کی توثیق سے کم تر نہیں ہے بلکہ شاید بہت سارے ائمہ کے بالمقابل زیادہ مضبوط ہے۔دوسرے درجہ کی توثیق بھی قریب قریب پہلے درجہ جیسی ہے۔تیسرے درجے کی توثیق مقبول ہے۔چوتھے درجہ کی توثیق صالح ہے،اور پانچویں درجہ کی توثیق محل نظر ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث نے بھی ان کی پرزور تائید کی ہے۔

علامہ معلّمی رحمہ اللہ کی تقسیم پر کچھ اسی طرح کا اعتراض درانی صاحب نے بھی کیا تھا جس کا تسلی بخش جواب علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح موارد الظمان کے مقدمہ میں دے دیا ہے۔

علامہ معلّمی رحمہ اللہ کا ابن حبان کی توثیق کو پانچ قسموں میں بانٹنا ایسے ہی ہے جیسے ابن حجر رحمہ اللہ نے مدلسین کو پانچ قسموں میں بانٹا ہے۔

اسی طرح علامہ معلّمی رحمہ اللہ کا ابن حبان کی توثیق کو پانچ قسموں میں بانٹنا ایسے ہی ہے جیسے صحیح حدیث کے پانچ شرائط بتلانا۔

کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ صحابہ وتابعین کے دور میں کسی نے مدلسین کی پانچ قسمیں کیں؟

اسی طرح کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ صحابہ یا تابعین کے دور میں کسی نے صحیح حدیث کے پانچ شرائط بیان کئے؟

اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سب بعد کی ایجاد ہے؟؟ ہرگز نہیں۔

اگر کوئی چیز پہلے ہی سے موجود ہے لیکن پہلے لوگوں نے بطور اصول اسے ذکر نہ کیا ہو اور بعد کے لوگوں نے اسے بطور اصول ذکر کردیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سب بعد کی چیزیں ہیں۔

صحابہ کے دور میں نحو وصرف کے قواعد، اصول فقہ کے قواعد نہیں بیان کئے گئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عہد صحابہ میں نحو وصرف یا اصول فقہ کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ یا ان کا کوئی اصول ہی نہیں تھا۔

نیز میرے علم کی حد تک کسی بھی معتبر محدث نے یہ نہیں کہا ہے کہ امام حبان کی ہر منفرد توثیق مجہول ہی کی توثیق ہے۔

بلکہ کوئی بھی عقل مند شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابن حبان جب بھی کسی راوی کی توثیق میں منفرد ہوں تو لازمی طور پر انہوں نے اپنے شاذ اصول ہی کو سامنے رکھا ہے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے بلکہ ضروری ہے کہیں پر امام حبان رحمہ اللہ گرچہ کسی راوی کی توثیق میں منفرد ہوں لیکن انہوں نے اپنے شاذ اصول کے تحت نہیں بلکہ محدثین کے عام اصول کے تحت اسے ثقہ کہا ہو۔

اس لئے اگر کسی توثیق سے متعلق یہ اشارہ ملے کہ یہاں پر ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنے شاذ اصول کے تحت توثیق نہیں کی ہے تو ظاہر ہے کہ یہاں بھی ابن حبان رحمہ اللہ کے شاذ اصول کا حوالہ دے کر ان کی توثیق کو رد کردینا امام ابن حبان رحمہ اللہ پر بہت بڑا ظلم اور ان کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہے۔

علامہ معلّمی رحمہ اللہ نے اسی ناانصافی سے بچنے کے لئے ابن حبان رحمہ اللہ کی توثیق کی پانچ قسمیں بتلائی ہیں۔

رہا امام ذہبی اور ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ تو عین ممکن ہے کہ ان حضرات نے محض امام مزی کی نقل پر اعتماد کیا ہو اور براہ راست الثقات لابن حبان کی ورق گردانی نہ کی ہو جیسے مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں ان دونوں بزرگوں نے محض امام مزی رحمہ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے منکر الحدیث کی جرح نقل کردی۔

واضح رہے کہ امام مزی رحمہ اللہ نے عمرو بن الحارث بن الضحاک سے متعلق امام ابن حبان کے حوالہ سے صرف یہ کہا کہ :

ذكره ابنُ حِبَّان في كتاب "الثقات

ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے[تهذيب الكمال للمزي: ٥٦٩/٢١]۔

حالانکہ معاملہ صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے بلکہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کرکے اسے واضح طور پر مستقیم الحدیث بھی کہا ہے۔

مولانا وحید الدین خان، افکار ونظریات

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

ہم محترم ڈاکٹر حافظ محمد زبیر حفظہ اللہ کے بے حد شکر گذار ہیں جنہوں نے ہماری گذارش پر اپنی غیر مطبوعہ کتاب ''مولانا وحید الدین خان، افکار ونظریات'' ہمیں ارسال کی ہے، اس کتاب میں جس عمدہ اور علمی اسلوب میں خان صاحب کے افکار ونظریات کا تجزیہ کیا گیا ہے یہ ہماری آنکھوں کا پہلا مشاہدہ ہے۔ ہم یہ کتاب قسط وار شائع کر رہے ہیں اور توقع ہے کہ ایک قسط پڑھنے کے بعد قارئین کو اگلی قسط کا بڑی شدت سے انتظار رہے گا۔

مقدمہ

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

مولانا وحید الدین خان یکم جنوری ۱۹۲۵ء کو پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش اتر پردیش، بھارت کے ایک قصبہ اعظم گڑھ میں ہوئی۔ چار یا چھ سال کی عمر میں ہی ان کے والد محترم فرید الدین خان وفات پا گئے۔ ان کی والدہ زیب النساء خاتون نے ان کی پرورش کی اور ان کے چچا صوفی عبد الحمید خان نے ان کی تعلیم کی ذمہ داری اٹھائی۔ ان کا کہنا ہے کہ بچپن کی یتیمی نے ان میں مسائل سے جان چھڑانے کی بجائے ان کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کیا۔ (http://www.cpsglobal.org/mwk)

انہوں نے ابتدائی تعلیم مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ سے ہی حاصل کی۔ ۱۹۳۸ء میں اس مدرسہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۴ء میں چھ سال بعد انہوں نے یہاں سے اپنی مذہبی تعلیم مکمل کر لی۔ اس کے بعد ان کے بڑے بھائی نے انہیں کاروبار میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ انہیں ابھی انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کرنی ہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے لائبریری جا کر سائنس اور جدید علوم کی کتب کا مطالعہ شروع کیا۔ (Ibid.)

کچھ عرصہ بعد خان صاحب نے محسوس کیا کہ انہوں نے مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ جدید علوم کا بھی کافی مطالعہ کر لیا ہے تو انہوں نے دینی علم کو زمانہ حاضر کے تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کی تحریروں میں بین المذاہب مکالمہ اور امن کا بہت زیادہ ذکر ملتا ہے۔ اور آخر عمر میں انہوں نے دین اسلام کا خلاصہ انہی دو لفظوں میں بیان ہے۔

۱۹۵۵ء میں ان کی پہلی کتاب 'نئے عہد کے دروازے پر' شائع ہوئی۔ یہی کتاب بعد میں ان کی معروف کتاب 'مذہب اور جدید چیلنج' کے لیے بنیاد بنی اور اس کا عربی ترجمہ ''الإسلام یتحدی'' کے نام سے مقبول عام ہوا جو کئی ایک عرب جامعات کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ جارج ٹاؤن یونیورسٹی سے شائع شدہ ایک حالیہ کتاب "500 Most Influential Muslims of 2009" میں انہیں Islam's Spiritual Ambassador to the World. قرار دیا گیا ہے۔ (Ibid.)

جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت میں شمولیت

خان صاحب شروع شروع میں مولانا مودودی رحمہ اللہ کی تحریروں سے متاثر ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں جماعت اسلامی، ہند میں شامل ہوئے۔ کچھ ہی عرصہ میں جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے بھی رکن بن گئے۔ جماعت اسلامی کے ترجمان رسالہ 'زندگی' میں باقاعدگی سے لکھتے رہے۔ جماعت اسلامی میں شمولیت کے بعد مولانا وحید الدین خان صاحب نے ۱۵ سال کے بعد جماعت اسلامی کو خیر باد کہا۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ ہو گئے لیکن ۱۹۷۵ء میں اسے بھی مکمل طور پر چھوڑ دیا۔

ذاتی دعوتی اور علمی کام کا آغاز

۱۹۶۷ء میں اپنے دعوتی کام کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۰ء میں نئی دہلی میں ایک اسلامک سنٹر کی داغ بیل ڈالی اور ۱۹۷۶ء میں 'الرسالہ' کے نام سے ایک اردو رسالہ کا اجرا کیا۔ ۱۹۸۴ء میں ہندی اور ۱۹۹۰ء

میں انگریزی میں بھی 'الرسالہ' جاری کیا گیا۔ اردو میں ان کا ترجمہ قرآن اور تشریحی نکات 'تذکیر القرآن' کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہی ترجمہ قرآن بعد میں ہندی اور انگریزی میں بھی شائع ہوا۔ انگریزی ترجمہ The Quran کے نام سے شائع ہوا حالانکہ ترجمہ قرآن کا یہ نام رکھنا کسی طور درست نہیں ہے۔ کوئی بھی ترجمہ قرآن، قرآن مجید نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید فصیح عربی زبان میں ہے اور جب اس کا ترجمہ کسی اور زبان میں کیا جاتا ہے تو وہ قرآن مجید کا ترجمہ تو کہلایا جا سکتا ہے لیکن قرآن مجید نہیں۔ خان صاحب ۲۰۰۱ء میں اپنے نقطہ نظر اور دعوت کے پھیلاؤ کے لیے 'سی پی ایس' یعنی ''سنٹر فار پیس اینڈ سپرچوئیلٹی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو ان کے بقول 'دعوت' اور 'امن' دو بنیادوں پر قائم ہے۔

مولانا وحید الدین خان تقریباً دو سو کتب کے مصنف ہیں، جو اردو، عربی اور انگریزی زبان میں ہیں۔ ان کی معروف کتب میں تذکیر القرآن، اسلام دور جدید کا خالق، مذہب اور جدید چیلنج، تعبیر کی غلطی، راز حیات، دین کی سیاسی تعبیر، عقلیاتِ اسلام، پیغمبرِ انقلاب اور اللہ اکبر ہیں۔ انگریزی اور عربی کتابیں اکثر و بیشتر مولانا کی اردو تحریروں ہی کے تراجم ہیں۔ (Ibid.)

فکری بنیادیں

مولانا وحید الدین خان صاحب کی تحریروں کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد ان کے دعوتی اور علمی کام کو آسانی کی خاطر پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

تذکیر و نصیحت: خان صاحب کی تحریروں میں تذکیر کا پہلو غالب اور نمایاں طور موجود ہے۔ چھوٹی اور عام سی بات سے بھی نصیحت کا پہلو نکال لینے میں انہیں کمال حاصل ہے۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

> ''ایک امریکی خاتون سیاحت کی غرض سے روس گئیں۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ ہر جگہ کمیونسٹ پارٹی کے چیف کی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ یہ بات انھیں پسند نہیں آئی۔ ایک موقع پر وہ کچھ روسیوں سے اس پر تنقید کرنے لگیں۔ خاتون کے ساتھی نے ان کے کان میں چپکے سے کہا: ''میڈیم آپ اس وقت روس میں ہیں، امریکہ میں نہیں ہیں''۔ آدمی اپنے ملک میں اپنی مرضی کے مطابق رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ کسی غیر ملک میں جائے تو وہاں اس کو دوسرے ملک کے نظام کی پابندی کرنی پڑے گی۔ اگر وہ وہاں کے نظام کی خلاف ورزی کرے تو مجرم قرار پائے گا۔ ایسا ہی کچھ معاملہ وسیع تر معنوں میں دنیا کا ہے، انسان ایک ایسی دنیا میں پیدا ہوتا ہے جس کو اس نے خود نہیں بنایا ہے۔ یہ مکمل طور پر خدا کی بنائی ہوئی دنیا ہے۔ گویا انسان یہاں اپنے ملک میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ملک میں ہے۔''
> (آخری سفر: ص ۵)

1. **ردّ عمل کی نفسیات:** خان صاحب کی فکر ردّ عمل کی نفسیات Psychology of Reaction پر قائم ہے اور یہ ردّ عمل اسلام کے سیاسی تصور، معاصر اسلامی تحریکات اور متنوع مذہبی طبقات کا ہے۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

> ''کچھ لوگ اسلام کا جامع تصور پیش کر رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام ہے۔ اسلام میں صرف عقیدہ اور عبادت اور اخلاق شامل نہیں ہیں، بلکہ پولیٹکل سسٹم بھی اس کا لازمی جز ہے۔ پولیٹکل سسٹم کو قائم کیے بغیر اسلام ادھورا رہتا ہے، وہ مکمل نہیں ہوتا۔ **یہ بظاہر اسلام کا جامع تصور ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ ایک تخریبی تصور ہے۔**'' (صبح کشمیر: ص ۳۲)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک زمین پر سیاسی غلبہ کا معاملہ ہے، اس کا تعلق تمام تر اللہ تعالیٰ سے ہے۔ قرآن مجید کے مطابق، زمین پر سیاسی غلبہ کا فیصلہ براہ راست اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اور وہ اُسی کو ملتا ہے جس کے لیے اللہ نے اس کا فیصلہ کیا ہو (۳:۲۶)۔ اِس سے معلوم ہوا کہ سیاسی نظم کے قیام کو نشانہ بنا کر عمل کرنا، ایک مبتدعانہ عمل ہے۔ وہ دین کے نام پر بے دینی ہے۔ **وہ اسلام کے نام پر اسلام سے انحراف کرنا ہے۔ اِس قسم کی کوشش کو کبھی بھی خدا کی نصرت نہیں ملے گی، اِس لیے ایسی کوشش کبھی کامیاب ہونے والی نہیں۔**''
> (ایضاً: ص ۳۳)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> '''موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی تمام بڑی بڑی تحریکیں حیرت انگیز طور پر انتہائی ناکامی کا شکار ہوئی ہیں۔ **مسلمان جب بھی کوئی تحریک اٹھاتے ہیں تو خدا ان کے گھروندے کو ٹھوکر مار کر گرا دیتا ہے۔** ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ تمام سرگرمیاں خدا کی نظر میں بالکل نامطلوب ہیں۔ **اس بنا پر وہ ان کو حرف غلط کی طرح مٹا رہا ہے۔**'' (راہ عمل: ص ۱۱۰)

مذکورہ بالا عبارات بتا رہی ہیں کہ جذبات میں ٹھہراؤ اور اطمینان نہیں ہے اور اختلاف کے اظہار میں ردّ عمل کی نفسیات واضح طور محسوس ہو رہی ہیں۔

2. **تجدد:** خان صاحب کے افکار ونظریات میں تجدد پسندی Modernity کی طرف میلانات اور رجحانات بہت زیادہ پائے جاتے ہیں اور صحیح معنوں میں ان پر لفظ متجدد اس اعتبار سے صادق آتا ہے کہ انہوں نے دین کے بنیادی تصورات کی اَز سرِ نو ایسی تعبیر وتشریح پیش کی ہے جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کی اور وہ نہ صرف اس بات کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اپنے لیے اس میں فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

> ''**پچھلے ہزار سال میں مسلمانوں کے درمیان جو لٹریچر تیار ہوا، اس میں سب کچھ تھا، مگر اس میں دو چیز مکمل طور پر حذف تھی اور اور وہ ہے دعوت اور امن کا تصور۔** اس کے بعد جب مغربی طاقتوں نے مسلم ایمپائر کو توڑ دیا تو اس کے خلاف ردعمل کی بنا پر یہ ذہن اور زیادہ پختہ ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیسویں صدی عیسوی پوری کی پوری، منفی سوچ اور منفی سرگرمیوں کی نذر ہوگئی۔ اس پوری صدی میں نہ دعوت کا پیغام لوگوں کے سامنے آیا اور نہ امن کا پیغام، جب کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ **راقم الحروف پر اللہ تعالیٰ نے استثنائی طور پر دعوت اور امن کی اہمیت کھولی۔**'' (ماہنامہ الرسالہ: جولائی ۲۰۱۰ء، ص ۲۳۔۲۴)

اب ان کے اُس تصورِ دعوت اور امن کی بھی ذرا سی جھلک ملاحظہ فرمائیں جو ان کے بقول مسلم دنیا کی ایک ہزار سالہ تاریخ میں نہیں ملتا۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

> ''۱۱ نومبر ۲۰۰۱ء میں نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو توڑنے کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اس واقعے کے بعد امریکا غضب ناک ہوگیا۔ اُس نے عراق اور افغانستان کے خلاف براہ راست طور پر اور پوری دنیا کے خلاف بالواسطہ طور پر ایک انتقامی جنگ چھیڑ دی۔ اس جنگ میں نام نہاد جہاد کے اکابر رہنما یا تو مارے گئے یا وہ خاموش ہوگئے۔ **امریکا کا یہ آپریشن اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک خدائی آپریشن تھا۔ اس نے ان تمام طاقتوں کو زیر کردیا جو امن اور دعوت کے مشن کے خلاف محاذ بنائے ہوئے تھے۔**'' (ماہنامہ الرسالہ: جولائی ۲۰۱۰ء، ص ۲۶)

2. **تنقیص:** خان صاحب نے اپنے ماسوا تقریباً ہر دوسرے بڑے عالم دین پر نقد کی ہے اور ان کی نقد تعمیری Constructive Criticism نہیں ہے بلکہ تنقیص reproach and denunciation کی ایک صورت ہوتی ہے۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

> ''اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ میں پیدائشی طور پر ایک تنقید پسند آدمی ہوں۔'' (وحید الدین خان، علماء اور دورِ جدید، ماہنامہ الرسالہ، نیو دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۴۴)

ایک ہے کہ ضرورت کے تحت تنقید کرنا اور یہ ایک ناگزیر امر ہے اور معاشرتی ضرورت ہے۔ جبکہ 'تنقید پسند ہونا' ایک دوسری بات ہے جو ہمارے خیال میں بہر طور درست ہے۔ اس میں 'پسند' کا لفظ قابل غور ہے۔ خان صاحب ایک اور جگہ علماء کی عیب جوئی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے علماء مغربی افکار کو سرے سے جانتے ہی نہیں... علماء اگر مغربی فکر کو گہرائی کے ساتھ سمجھتے تو اس کو اپنے لیے عین مفید سمجھ کر اس کا استقبال کرتے۔ مگر سطحی **معلومات** کی بنا پر وہ اس کے مخالف بن گئے اور اس کا مذاق اڑانے لگے۔'' (ایضاً: ص ۴۱۔۴۲)

ایک اور جگہ اہل علم پر الزام دھرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''علماء کی دورِ جدید سے بے خبری کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایسا لٹریچر تیار نہ کر سکے جو جدید ذہن کو مطمئن کرنے والا ہو۔ **شاہ ولی اللہ سے لے کر سید قطب تک، میرے علم کے مطابق، مسلم علماء کوئی ایک کتاب بھی ایسی تیار نہ کر سکے جو آج کے مطلوبہ معیار پر پوری اترتی ہو۔**'' (ایضاً: ص ۴۵)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> ''سو سال سے بھی زیادہ مدت سے یہ بات کہی جا رہی ہے کہ ہمیں دورِ جدید کے علماء کی ضرورت ہے، یعنی ایسے علماء جو علوم دینیہ کی تحصیل کے علاوہ وقت کے علوم کی بھی تعلیم حاصل کریں۔ اس طرح ایسے علماء تیار ہوں جو قدیم وجدید دونوں سے واقف ہوں تا کہ وہ عصر حاضر کے مطابق، اسلام کی خدمت انجام دے سکیں... **ایسے لوگوں کی فہرست ہزاروں میں شمار کی جا سکتی ہے جو دونوں قسم کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے، مگر وہ ملت کی مطلوب ضرورت پورا نہ کر سکے۔** مثال کے طور پر چند نام یہاں لکھے جاتے ہیں۔ مولانا حمید الدین فراہی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، پروفیسر مشیر الحق، ڈاکٹر عبد الحلیم عویس، ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی، مولانا محمد تقی عثمانی، پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی، پروفیسر محمد اجتبا ندوی، پروفیسر محسن عثمانی، پروفیسر ضیاء الحسن ندوی، ڈاکٹر عبد الحلیم ندوی، ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی، ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی وغیرہ... میں نے ذاتی طور پر اس قسم کے علماء کی تحریریں پڑھی ہیں، مگر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ **ان سب کی تحریریں**

قدیم روایتی مسائل کی جدید تکرار کے سوا اور کچھ نہیں۔''
(ماہنامہ الرسالہ: مارچ ۲۰۰۷ء ص ۴-۵)

4. **اختیال:** خان صاحب کی تحریروں سے یہ واضح طور محسوس ہوتا ہے کہ ان کے خیالوں میں ان کی اپنی عظمت رچ بس گئی ہے اور وہ نرگسیت Narcissism کا شکار ہیں۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

''اصحاب رسول کی حیثیت ایک دعوتی ٹیم کی تھی۔ یہ ٹیم ڈھائی ہزار سالہ تاریخ کے نتیجے میں بنی۔ اس کا آغاز اس وقت ہوا جب ہاجرہ اور اسماعیل کو خدا کے حکم سے صحرا میں بسا دیا گیا... سی پی ایس کی ٹیم کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اصحاب رسول کے بعد تاریخ میں ایک نیا عمل شروع ہوا۔ اسی عمل کا **کلمنیشن** (culmination) سی پی ایس [مولانا وحیدالدین خان] کی ٹیم ہے... گویا اصحاب رسول اگر قدیم زمانے میں ڈھائی ہزار سالہ تاریخی عمل کا **کلمنیشن** تھے تو سی پی ایس [مولانا وحیدالدین خان] کی ٹیم بعد کے تقریباً ڈیڑھ ہزار سالہ عمل کا **کلمنیشن** ہے۔ **اصحاب رسول کے بعد بننے والی طویل تاریخ کے تمام مثبت عناصر سی پی ایس [مولانا وحید الدین خان] کی ٹیم میں جمع ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں پہلی بار اس کو یہ حیثیت ملی ہے کہ وہ دور حاضر میں اخوان رسول کا رول کر سکے۔ بعد کے زمانے میں اٹھنے والی تمام تحریکوں میں صرف سی پی ایس [مولانا وحیدالدین خان] انٹرنیشنل وہ تحریک یا گروپ ہے جو استثنائی طور پر اس معیار پر پوری اترتی ہے۔** قرآن اور حدیث کی صراحت کے مطابق، اصحاب رسول کی امتیازی صفت یہ تھی کہ وہ پورے معنوں میں ایک داعی گروہ بنے۔ مگر بعد کو بننے والے گروہوں میں کسی بھی گروہ کو حقیقی معنوں میں داعی گروہ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔'' (ماہنامہ الرسالہ: ستمبر ۲۰۰۶ء ص ۳۵)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''غالباً یہ کہنا صحیح ہوگا کہ **اخوانِ رسول وہ اہل ایمان ہیں جو** سائنسی دور میں پیدا ہوں گے، اور سائنسی دریافتوں سے ذہنی غذا لے کر اعلیٰ معرفت کا درجہ حاصل کریں گے، نیز یہی **وہ لوگ ہوں گے جو مہدی، یا مسیح کا ساتھ دے کر آخری زمانے میں اعلیٰ دعوتی کارنامہ انجام دیں گے۔''** (ماہنامہ الرسالہ: مئی ۲۰۱۰ء ص ۴۴)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''ماضی اور حال کے تمام قرائن تقریباً یقینی طور پر بتاتے **ہیں کہ سی پی ایس [مولانا وحیدالدین خان] کی ٹیم ہی وہ ٹیم ہے جس کی پیشین گوئی کرتے ہوئے پیغمبر اسلام نے اس کو اخوانِ رسول کا لقب دیا تھا۔''** (ماہنامہ الرسالہ: ستمبر ۲۰۰۶ء ص ۴۰)

پہلے اقتباس کا خلاصہ ہے کہ مہدی و مسیح کے ساتھ اخوان رسول کی ٹیم ہو گی جبکہ دوسرے کا ہے کہ اخوان رسول کی ٹیم سی پی ایس کی ٹیم ہے۔ ان دو قضیوں کے صغری و کبری سے یہ نتیجہ نکلا کہ مہدی و مسیح کے ساتھ سی پی ایس کی ٹیم ہو گی۔

مولانا وحیدالدین خان صاحب کی کسی بھی تحریر کو اٹھا کر دیکھ لیں، اس میں ان میں سے ایک، دو یا تین، چار بنیادیں ضرور مل جائیں گی۔ ہم، ان شاء اللہ! اس کتاب میں ان عوامل اور عناصر سے پروان چڑھنے والی خان صاحب کی فکر کا، ان کے اپنے الفاظ ہی کی روشنی میں، ایک مفصل تحلیلی و تجزیاتی مطالعہ پیش کریں گے۔

منہج بحث و تحقیق

خان صاحب کی فکر کا تجزیہ و تحلیل ان کے اپنے الفاظ کی روشنی میں کیا گیا ہے اور اگر اس کتاب کو ''مولانا وحیدالدین خان، اپنے الفاظ کے آئینے میں'' (Maulana Wahiduddin Khan: In his Own Words) کا نام دیا جائے تو بالکل درست ہوگا۔ حوالہ جات کے درج کرنے میں سوشل سائنسز میں امیریکن سائیکالوجیکل ایسوسی ایشن (APA) کے اسلوب سے رہنمائی لیتے ہوئے حوالہ فٹ نوٹ یا آخر میں دینے کی بجائے متن میں ساتھ ہی نقل کر دیا گیا ہے۔ متن میں کتاب کا نام، جلد اور صفحہ دیا گیا ہے جبکہ پبلشر، سن اشاعت اور مقام اشاعت وغیرہ کے ساتھ مکمل حوالہ کے لیے کتاب کے آخر میں موجود مصادر و مراجع کی فہرست کی طرف رجوع کیا جائے۔ نقد و تبصرہ کرتے ہوئے بنیادی مصادر اسلامیہ کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ثانوی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ احادیث کی تصحیح و تضعیف میں علامہ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق پر اعتماد کیا گیا ہے۔ نقد و تبصرہ میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ خان صاحب کے اصولوں ہی کی روشنی میں ان کے نظریات کا جائزہ لیا جائے۔ اس لیے جا بجا خان صاحب پر تبصرہ کرتے ہوئے شواہد کے طور پر ان کی عبارتوں کو بھی نقل کیا گیا ہے۔ اقتباسات میں بڑی بریکٹ ''[ ]'' میں جو عبارت ہے، مصنف کا اضافہ ہے۔

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
(ابوالحسن علوی)

❁❁❁❁❁

(جاری ہے-------------)
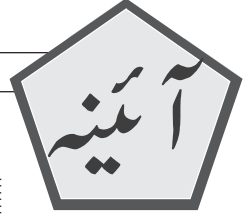
تقویۃ الایمان کی ایک عبارت اور حقیقی گستاخ

ابوعبداللہ شعیب

شاہ اسماعیل دہلوی اپنی مشہور کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے'' [تقویۃ الایمان ص۸ بحوالہ الحق المبین ،تصنیف: احمد سعید کاظمی بریلوی ص۷۹]۔

شاہ اسماعیل دہلوی کی یہ عبارت دیکھنے کے لیے ملاحظہ کریں مزید بریلوی کتب: مناظرہ جھنگ (ص۱۵۶) عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ (حصہ اول، ص۱۰۳۔۱۰۴) اور البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ (ص۳۲۹)

بریلوی اعتراض

بہت سے بریلوی علماء واکابرین کی طرح احمد سعید کاظمی بریلوی کا کہنا ہے:

''ہر چھوٹی اور بڑی مخلوق کے معنی رسل کرام اور اولیائے عظام کا ہونا متعین ہو گیا ہے ...اب انہیں بارگاہ خداوندی میں معاذ اللہ چوہڑے چمار سے زیادہ ذلیل کہنا جس قسم کی شدید توہین ہے محتاج بیان نہیں ۔'' [الحق المبین ص۸۰، صراط مستقیم پبلیکیشنز لاہور]

اسی طرح غلام نصیر الدین سیالوی بریلوی نے تقویۃ الایمان کی عبارت پیش کرتے ہوئے کہا: ''اس عبارت کے عموم کے اندر تمام فرشتے بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی مخلوق میں شامل ہیں''۔ [عبارت اکابر کا تحقیقی جائزہ: حصہ دوم ص۳۹۳]۔

الجواب:

تقویۃ الایمان کی اس عبارت میں شاہ صاحب نے ہرگز توہین یا گستاخی کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ جو لوگ چھوٹی یا بڑی مخلوق کے عمومی الفاظ کو انبیاء واولیاء اور فرشتوں کے ساتھ خاص کرتے یا نسبت دیتے ہیں وہ گستاخی اور توہین کے مرتکب ہیں۔

عمومی الفاظ کو خاص کر کے توہین کا مفہوم اخذ کرنا سخت ناانصافی اور باطل ومردود ہے۔

شاہ صاحب نے انبیاء واولیاء ملائکہ کی نسبت ذلیل لفظ کی طرف نہیں کی بلکہ عمومی طور پر ہر چھوٹی بڑی مخلوق کو اللہ کی شان کے سامنے ذلیل قرار دیا ہے۔عمومی طور پر تمام مخلوق کو ذلیل کہنا الگ بات ہے اور خاص انبیاء یا اولیاء کی طرف (نعوذ باللہ) ذلت کو منسوب کرنا الگ بات ہے اور یہ اصول خود بریلوی علماء کو بھی تسلیم ہے۔

بریلویوں کا تسلیم شدہ اصول

چنانچہ بریلویوں کے مشہور مناظر وشیخ الحدیث علامہ اشرف سیالوی نے کہا:

''ایک ہے عمومی طور پر مخلوق کو ذلیل کہنا اور ہے ایک خاص طور پر کسی شخصیت کا نام لے کر اسے ذلیل کہنا تو عموم اور تخصیص کے اندر فرق واضح ہے۔'' [مناظر جھنگ: ص۱۶۸۔۱۶۹، دوسرا نسخہ: ص۱۷۲، اہل السنۃ پبلیکیشنز، دینہ ضلع جہلم]۔

انصاف شرط ہے کہ جب خود تسلیم ہے کہ عمومی طور پر مخلوق کو ذلیل کہنے میں اور خاص کسی شخصیت کو ذلیل کہنے میں فرق ہے تو پھر اسماعیل دہلوی کی عمومی عبارت کو انبیاء واولیاء یا ملائکہ کی طرف خاص کر کے توہین اخذ کرنا صریح دھوکہ دہی اور فریب نہیں تو کیا ہے....؟

بریلوی علماء واکابرین ،تقویۃ الایمان کی اس عمومی عبارت کو خاص کرتے ہوئے جس طرح ایک باطل مفہوم کے تحت گستاخانہ وتوہین آمیز باور کرواتے آئے ہیں اس طرز پر تو خود بریلوی علماء واکابرین اپنی بہت

سی باتوں اور عبارتوں کے سبب گستاخ قرار پاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) بریلویوں کے ''اعلی حضرت'' احمد رضا خان بریلوی نے ایک آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا:

''بیشک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو'' ۔[کنز الایمان: سورۃ الانبیاء آیت ۹۸]۔

اس آیت کے بریلوی ترجمہ سے صاف ظاہر ہے کہ کفار و مشرکین کے ساتھ ساتھ، جن جن کو وہ پوجتے اور عبادت کرتے ہیں وہ بھی جہنم کا ایندھن ہیں ۔ یہ بات ثابت و مسلم ہے کہ عیسائیوں نے سیدنا عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کو پوجتے ہوئے اپنا معبود بنالیا جس پر خود قرآن گواہ ہے۔[دیکھئے سورۃ المائدہ آیت ۱۱۶]۔

اب اگر اس آیت کے ترجمہ کا بھی ویسا ہی مفہوم مراد لیا جائے جیسا کہ بریلوی حضرات'' تقویۃ الایمان کی عبارت کا لیتے ہیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ احمد رضا بریلوی نے اس آیت کے ترجمہ میں سیدنا عیسی علیہ السلام اور سیدہ مریم علیہا السلام کی صریح توہین کی ہے کیونکہ اللہ کے سوا جن جن کو پوجا جاتا ہے ان میں سیدنا عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ بھی شامل ہیں اور ان کو جہنم کا...(نعوذ باللہ من ذالک)

معلوم ہوا کہ عمومی الفاظ کو انبیاء و اولیاء کی جانب منسوب کرنا خود سب سے بڑی گمراہی اور ان معزز ہستیوں کی شدید توہین ہے۔

(۲) احمد رضا خان بریلوی نے کہا:

''لوگ اللہ کے سوا جن جن کو پوجتے ہیں ۔ وہ سب جھوٹے ہیں ''۔[ملفوظات۔ حصہ اول ص ۷۹، فرید بک سٹال لاہور]

خان صاحب بریلوی کا یہ اپنا ملفوظ بھی تقویۃ الایمان کی طرز پر گستاخی قرار پاتا ہے ۔لوگ جن جن کو پوجتے ہیں ان میں سیدنا عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام بھی شامل ہیں۔

چنانچہ اس ملفوظ کا بریلوی علم الکلام میں مطلوب یہ بنتا ہے کہ بریلوی ''اعلی حضرت'' نے سیدنا عیسی علیہ السلام اور سیدہ مریم علیہا السلام کو بھی جھوٹا قرار دے رکھا ہے۔(نعوذ باللہ)

اور یہ ان کی شدید توہین اور گستاخی ہے۔

اگر احمد رضا خان بریلوی کے اس عمومی ملفوظ کو خاص کرتے ہوئے مندرجہ بالا گستاخانہ مفہوم نکالنا صحیح نہیں تو تقویۃ الایمان میں شاہ اسماعیل کی عبارت کے ساتھ یہ ظلم اور ناانصافی کیوں.....؟

(۳) احمد رضا خان بریلوی نے ایک شعر یوں کہا:

واہ کیا مرتبہ اے غوث بالا ہے تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلی تیرا

[حدائق بخشش، حصہ اول ص ۸، اکبر بک سیلرز لاہور]

اس شعر میں احمد رضا خان بریلوی نے شیخ عبد القادر جیلانی کے مراتب کو بیان کرتے ہوئے ان کے قدم کو اونچے اونچوں کے سروں سے بھی اعلی قرار دیا ہے۔

ہر چھوٹی بڑی مخلوق کے عمومی الفاظ میں انبیاء و اولیاء کو شامل کر کے گستاخی اور توہین باور کروایا جاتا ہے تو اس شعر میں بات ہی اونچے اونچوں کی ہے۔ ہر چھوٹی بڑی مخلوق میں انبیاء و اولیاء شامل ہیں تو اونچے اونچوں کے الفاظ تو دلالت ہی اونچے مرتبوں والے انبیاء و اولیاء اور بالخصوص امام الانبیاء نبی ﷺ پر کرتے ہیں ۔کیا بریلوی منطق کے لحاظ سے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ ''اونچے اونچوں کے معنی رسل کرام اور اولیائے عظام کا ہونا متعین ہوگیا ہے....اب شیخ عبد القادر جیلانی کا قدم ان اونچے اونچوں کے سروں سے بھی اعلی کہنا جس قسم کی شدید توہین ہے محتاج بیان نہیں۔''

انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ جو باطل مفہوم تقویۃ الایمان کی عبارت کا بریلوی علماء و اکابرین پیش کرتے آئے ہیں کیا پھر یہ شعر گستاخی و توہین کے اعتبار سے زیادہ سنگین نہیں؟

(۴) بریلویوں کے تسلیم شدہ ولی بزرگ سلطان المشائخ محبوب الہی خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا:

''کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ ساری مخلوق کو اونٹ کی مینگنی جیسا (ہیچ) نہ سمجھے''[فوائد الفواد، جلد سوم آٹھویں مجلس ص ۲۵۱، اکبر سیلرز لاہور]۔

جس طرح شاہ صاحب کی عبارت میں چھوٹی بڑی مخلوق کے عمومی الفاظ موجود ہیں اسی طرح اس ملفوظ میں ساری مخلوق کے عمومی الفاظ موجود ہیں جن میں اولیاء بھی شامل ہیں۔ یہاں بریلوی غزالیوں کی طرز پر یہ کہنا کیوں درست نہیں کہ ''اس عبارت کے عموم کے اندر تمام فرشتے بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی مخلوق میں شامل ہیں۔'' اور اسی طرح ''مخلوق

کے معنی رسل کرام اور اولیائے عظام کو شامل ہونا متعین ہو گیا ہے...اب انہیں اونٹ کی مینگنی جیسا سمجھنا جس قسم کی شدید توہین ہے محتاج بیان نہیں ۔'' اگر اس کے جواب میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ''ایک ہے عمومی طور پر مخلوق کو ذلیل کہنا اور ہے ایک خاص طور پر کسی شخصیت کا نام لے کر اسے ذلیل کہنا تو عموم اور تخصیص کے اندر فرق واضح ہے ۔'' تو پھر آج تک بریلوی علماء و اکابرین تقویۃ الایمان کی عمومی عبارت کو انبیاء و اولیاء کی طرف منسوب کر کے کیوں گستاخانہ اور توہین آمیز مطلب پہناتے رہے ہیں؟ کیا بریلوی علماء و اکابرین کے اس طرز عمل کی روشنی میں سب سے پہلے خود احمد رضا خان بریلوی اور دوسرے تسلیم شدہ بریلوی بزرگ گستاخ قرار نہیں پاتے؟

(۵) شیخ عبد القادر جیلانی کا ایک قول نقل کرتے ہوئے احمد رضا خان بریلوی نے لکھا:

''قدمی هذا علی رقبة کل ولی الله (میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ ت)'' [فتاوی رضویہ: ج ۲۸ ص ۳۶۳]

تقویۃ الایمان کی عبارت میں تو ''ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا'' کے عمومی الفاظ ہیں۔ ''ہر ولی اللہ'' کے الفاظ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین عظام رحمہم اللہ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کو بھی شامل ہیں کیونکہ تمام انبیاء نبوت کے ساتھ ساتھ بالا ولی و کایت سے بھی سرفراز ہوتے ہیں بلکہ بریلویوں کے ہاں تو انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے بھی افضل مانی جاتی ہے۔

چنانچہ احمد رضا خان بریلوی نے کہا: ''نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے...'' [ملفوظات: حصہ سوم ص ۲۹۳، فرید بک سٹال لاہور]

تنبیہ: شیخ احمد سرہندی المعروف ''مجدد الف ثانی'' کے نزدیک نبی کی ولایت کو اس کی نبوت سے افضل ماننے کا نظریہ بیہودہ ہے اور ایسا نظریہ رکھنے والا نبوت کے کمالات سے جاہل ہے ۔[دیکھئے مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۹۵، ۲۵۱] [اردو ترجمہ ص ۲۷۴، ۵۰۳، شبیر برادرز لاہور]

ایک اور جگہ بریلویوں کے ''اعلیٰ حضرت'' نے لکھا: ''اولیاء کا اطلاق ...ہر محبوب خدا، تو انبیاء بلکہ ملائکہ کو بھی شامل''۔[فتاوی رضویہ: ج ۱۰ ص ۸۱۰]۔

جب یہ تسلیم ہے کہ اولیاء کا اطلاق ہر محبوب خدا انبیاء بلکہ ملائکہ پر بھی ہوتا ہے تو پھر یہ قول کہ ''میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے'' بریلوی اصول پر کیوں گستاخی و توہین نہیں؟ ''ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا'' کے عمومی الفاظ میں بڑی مخلوق کو صراحت بتانا، پھر گستاخی گستاخی کا شور مچانا اور ''ہر ولی اللہ'' کے صریح الفاظ میں بلا دلیل مستثنیات ماننا، انتہا درجے کی نا انصافی اور ظلم نہیں تو کیا ہے؟ اپنی اس دوغلی پالیسی سے توبہ اور رجوع کرنے کی بجائے ڈھٹائی سے باطل تاویلات پر ڈٹے رہنا، دوسروں کی بجائے خود کو ہی دھوکہ دینا ہے۔

مزید عرض ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی کی طرف منسوب اس قول کی وضاحت و تاویل میں احمد رضا خان بریلوی نے لکھا:

''اس لفظ (اولیاء) کا تیسرا اطلاق اخص اور ہے جس میں صحابہ بلکہ تابعین کو بھی شامل نہیں رکھتے کہ وہ اسمائے خاصہ سے ممتاز ہیں ...'' [فتاوی رضویہ: ج ۱۰ ص ۸۱۱]

گویا احمد رضا خان بریلوی کے نزدیک شیخ عبد القادر جیلانی کے قول ''میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے'' میں صحابہ و تابعین اس لیے شامل نہیں کہ یہ شخصیات صحابہ و تابعین کے خاص ناموں سے ممتاز ہیں۔ اس رضا خانی اصول پر تو تقویۃ الایمان کی عبارت بالا ولی گستاخی و توہین سے مبرا قرار پاتی ہے کیونکہ جب ہر ولی کے اطلاق میں صحابہ و تابعین شامل نہ سمجھے گئے کہ یہ شخصیات الگ خاص ناموں سے ممتاز ہیں تو ہر بڑی مخلوق کے اطلاق میں بھی انبیاء و اولیاء و ملائکہ شامل نہیں کہ یہ الگ خاص ناموں سے ممتاز ہیں۔ والحمد للہ

فائدہ: شیخ عبد القادر جیلانی کے قدم سے متعلق کیسے کیسے کفریہ و گستاخانہ عقائد گھڑ لئے گئے ہیں، اس پر ایک ضمنی حوالہ ملاحظہ فرمائیں:

قرآن پاک (سورۃ القلم آیت ۴۲) میں کشف ساق کا ذکر ہے، جس کی تشریح حدیث میں یوں آئی ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا (جس طرح اس کی شان کے لائق ہے) تو ہر مومن مرد و عورت اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے... [صحیح بخاری، تفسیر سورۃ ن والقلم: ۴۹۱۹]۔

اس کے مقابلے میں ابو کلیم صدیق فانی بریلوی اپنے ''اعلیٰ حضرت'' کے ایک شعر کا مفہوم ان کی زبانی یوں بیان کرتے ہیں:

''امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اے غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ قیامت کے دن آپ کے قدم پاک کی تجلی کو دیکھ کر بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ تجلی الٰہی ہے سجدے میں

گر پڑے اور دہشت زدہ ہو گئے حلانکہ یہ تجلی الہی نہ تھی بلکہ قدم غوث الثقلین (یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی کے قدم) کے نور کا کرشمہ تھا۔''

[آئینہ اہل سنت ص ۳۰۱، اویسی بک سٹال گوجرانوالہ] نعوذ باللہ من ذالک۔

یہ کتاب 'آئینہ اہلسنت' مشہور ومعروف بریلوی عالم ڈاکٹر مفتی اشرف آصف جلالی کے ''حسب الارشاد'' لکھی گئی ہے۔

ایسے عقائد ونظریات رکھنے والے لوگ کس منہ سے عمومی عبارات کو بنیاد بنا کر دوسروں کو گستاخ قرار دیتے ہیں۔

نتیجہ وحاصل

اس ساری بحث ودلائل سے یہ بات بالکل واضح اور روشن ہے کہ عمومی الفاظ کو خصوصی دے کر توہین وگستاخی کا مفہوم اخذ کرنا انتہائی مذموم اور باطل ہے بلکہ سوائے لوگوں کو دھوکہ دینے اور ان کے دینی جذبات سے کھیلنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

مگر یہ بات طے شدہ اور مسلم ہے کہ اگر انبیاء کا نام لے کر یا خاص ان کی طرف ذلت کو منسوب کیا جائے تو یہ یقیناً ان کی شدید گستاخی اور توہین ہے۔اس طے شدہ اور تسلیم شدہ بات کو مدنظر رکھتے ہوئے خود فیصلہ کیجیے کہ حقیقی گستاخ کون...؟

حقیقی گستاخ کون...؟

(۱) احمد رضا خان بریلوی نے نبی کریم ﷺ کی شان میں کہا:

''کثرت بعد قلت پہ اکثر درود عزت بعد ذلت پہ لاکھوں سلام

[حدائق بخشش، حصہ دوم ص ۳۶، اکبر بک سیلرز لاہور]

اس شعر میں بریلویوں کے ''اعلی حضرت'' نے شدید گستاخی اور توہین کا ارتکاب کرتے ہوئے نبی ﷺ کی جانب ذلت کو منسوب کیا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کو قلت کے بعد کثرت حاصل ہوئی اسی طرح عزت بھی ذلت کے بعد ملی۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

دوسروں کو عمومی عبارات کو گستاخی باور کروانے والے دیکھئے: کس دیدہ دلیری سے امام الانبیا ﷺ کی توہین کر رہے ہیں۔

ا۔ بریلویوں کے پیر **نصیر الدین نصیر گولڑوی** نے اس شعر کے متعلق لکھا:

''فاضل بریلوی رحمہ اللہ جو میرے خیال میں آپ سے زیادہ فاضل اور عالم باعمل اور ناموس مصطفیٰ واولیاء کے محافظ تھے، اس محولہ بالا شعر میں کس عزت اور ذلت کا ذکر فرما رہے ہیں۔کیا ان کو شان رسالت کا علم نہیں تھا کہ انہوں نے ذلت کی نسبت آپ (ﷺ) کی ذات عالیہ کی کر دی...'' [لطمۃ الغیب ص ۴۲]

رضا خانی مناظر حنیف قریشی کے معاون مناظر امتیاز حسین کاظمی نے لکھا ہے:

''چراغ گولڑہ حضرت قبلہ پیر سید **نصیر الدین نصیر** شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ''۔ [روئیداد مناظرہ راولپنڈی، گستاخ کون؟ ص ۴۳]۔

مشہور بریلوی محقق وعالم عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

''حضرت اعلی پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالی کے پرپوتے اور حضرت بابوجی رحمہ اللہ تعالی کے پوتے، فاضل جلیل بقول حافظ مظہر الدین ''رومی وجامی کی صدائے بازگشت'' صاحبزادہ **نصیر الدین نصیر** گیلانی مدظلہ'' [نور نور چہرے، تذکرہ ابرار ملت ص ۲۵۳، مکتبہ قادریہ لاہور]

عبدالحکیم شرف قادری نے مزید ان کے بارے میں لکھا ''حقیقت یہ ہے کہ صاحبزادہ صاحب کی استقامت نے قرون اولی کے متدین اور متصلب علماء کرام کی یاد تازہ کر دی ہے'' [نور نور چہرے، تذکرہ ابرار ملت ص ۲۵۶]۔

بریلویوں کے اس انتہائی متصلب ومعتبر عالم ''**حضرت قبلہ پیر سید نصیر الدین نصیر شاہ صاحب گولڑوی**'' کی گواہی اپنے ہی فاضل بریلوی کے بارے میں یہ ہے کہ انہوں نے ذلت کی نسبت نبی ﷺ کی جانب کی ہے۔

۲۔اسی طرح ایک اور بریلوی محقق العصر مفتی محمد خان قادری نے لکھا:

''حبیب خدا، وجہ تخلیق کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور.....ایک سچے عاشق رسول نے اپنے سلام نیاز میں اس جامع صفات ہستی کے جن چند اوصاف ومحاسن کا تذکرہ کیا ہے...جیسے: مصطفیٰ، جان رحمت، شمع بزم ہدایت...انتہائے دوئی، ابتدائے یکی، جمع تفریق وکثرت،...عزت بعد ذلت، رب اعلی کی نعمت، حق تعالی کی منت...'' [شرح سلام رضا ص ۴۰۳]

اس گواہی سے بھی بالکل واضح اور روشن ہے کہ احمد رضا خان بریلوی نے نبی ﷺ کی ذات مبارکہ کے ہی اوصاف ومحاسن بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ کی جانب ہی ''عزت بعد ذلت'' کو منسوب کیا ہے اور یوں صریح

گستاخی اور توہین کا ارتکاب کرتے ہوئے نبی ﷺ کے لئے (نعوذ باللہ)ذلت کو ثابت کرنا چاہا ہے جو کہ آپ ﷺ کی شان میں شدید توہین اور گستاخی ہے۔اگر کوئی بریلوی اس شعر کے خلاف حقیقت مفاہیم یا متصاد آراء پیش کرتا ہے تو وہ صرف دھوکہ وفریب ہے اور مزید اس بات کا ثبوت ہے کہ بریلوی ''حضرات'' اپنے بڑوں کے صریح گستاخانہ وتوہین آمیز نظریات پر پردہ ڈالنے کے لئے دوغلے طرزِعمل کا شکار ہیں۔

(۲) بریلویوں کے **''حضرت قبلہ پیر سید نصیر الدین نصیر شاہ صاحب گولڑوی''** نے اپنے علامہ وفاضل بریلوی کے اسی شعر کو بنیاد بناتے ہوئے خود بھی لکھا:

''اے میرے آقا مولی: آپ کی اس عزت پر لاکھوں سلام جو کہ دور کی تیرہ سالہ ذلت کے بعد آپ کو عطا کی گئی۔''[لطمۃ الغیب ص۴۲]۔

دیکھئے کس قدر بے ادبی اور بے حیائی کے ساتھ بریلویوں کے چھوٹے بڑے نبی مکرم ﷺ کی جانب ذلت کو منسوب کرتے چلے جا رہے ہیں اور اس سب کے باوجود توہین اور گستاخی کے فتوے صرف دوسروں کے لئے ہیں۔

(۳) بریلویوں کے سلطان العارفین برہان الواصلین سلطان باہو نے کہا:

''جبکہ آدم علیہ السلام کی ذلت شہوت کی وجہ سے تھی۔''[اسرار قادری ص۶۰،شبیر اورز لاہور]۔

سلطان باہو کی یہ کتاب (اردو ترجمہ) دربار سلطان باہو کے سجادہ نشین کی اجازت سے شائع شدہ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں عمومی عبارات سے گستاخی اخذ کرنے والوں کے بڑے کیسی کیسی صریح گستاخیوں کے مرتکب ہیں کہ تمام انبیاء واولیاء اور تمام انسانوں کے جد امجد، سب سے پہلے نبی سیدنا آدم علیہ السلام کو ذلت میں مبتلا قرار دیا جارہا ہے ۔(نعوذ باللہ)

نیز ذلت کے ساتھ ساتھ شہوت کو بھی سیدنا آدم علیہ السلام سے منسوب کر دیا۔

شہوت کے متعلق مشہور ومعروف صوفی بزرگ علی ہجویری کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیں:

''لیکن جو شہوت اور لوگوں میں عزت ومنزلت کا خواہشمند ہے وہ حرص وطمع اور خواہشات کے چکروں میں پھنسا ہوا ہے۔وہ لوگوں کے لئے فتنہ ہے...''[کشف المحجوب اردو ص۴۵۰، اکبر بک سیلرز لاہور]

کس قدر سنگین گستاخی وتوہین ہے کہ اس شہوت کے گندے اور ذلت والے مفہوم اور اس کی بدخصوصیات کو انبیاء کی جانب منسوب کیا جائے۔مندرجہ بالا عبارت میں اس شہوت کی بد اور گندگی خاصیت ''حرص'' کو بھی قرار دیا گیا ہے اور سلطان باہو نے جس طرح ''شہوت'' کو سیدنا آدم علیہ السلام کی جانب منسوب کر رکھا ہے اسی طرح اس ''حرص'' کے انتہائی غلیظ مفہوم کو بھی سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہوئے شدید توہین / گستاخی کا ارتکاب کر رکھا ہے۔

چنانچہ بریلویوں کے اسی سلطان العارفین سلطان باہو نے لکھا:

''جس دل پر اللہ کی رحمت نہ ہو وہ دل گمراہ ہو کر سیاہ ہو جاتا ہے۔وہ حسد حرص کبر سے بھر جاتا ہے۔چنانچہ حسد کی وجہ سے قابیل نے (اپنے بھائی) ہابیل کو قتل کر ڈالا اور حرص نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوادیا (کہ شجرہ ممنوعہ کو چھولیا) اور کبر نے ابلیس کو لعنت کے مقام پر پہنچا دیا۔''[عین الفقر ص۱۷، شبیر برادرز لاہور] نعوذ باللہ من ذالک۔

سلطان باہو کی یہ کتاب (اردو ترجمہ) دربار سلطان باہو کے سجادہ نشین کی زیر سرپرستی شائع شدہ ہے۔

اس پوری عبارت میں جس قدر شدید توہین آمیز انداز میں سیدنا آدم علیہ السلام کی کھلم کھلی گستاخی کی گئی ہے وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اپنے لفظوں میں بھی بیان کی جاسکے۔ابطال باطل کے پیش نظر ان اصلی گستاخوں کی حقیقت دکھانی مقصود ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کی جانب اس حرص کو منسوب کیا جارہا ہے کہ جو اللہ کی رحمت سے دوری کے سبب دل کے گمراہ اور سیاہ ہو جانے کے باعث پیدا ہوتی ہے۔استغفر اللہ ثم استغفر اللہ

دوسروں کی عمومی عبارات پر گستاخی گستاخی، توہین توہین کا شور مچا کر آسمان سر پہ اٹھا لینے والوں کو، اپنے بڑوں کی صریح گستاخانہ اور توہین آمیز باتوں پر سانپ سونگھ جاتا ہے۔مجال ہے کہ ایک لفظ بھی ایسی صریح گستاخیوں کی مذمت میں منہ سے نکلے، بلکہ الٹا ان گستاخیوں کا من گھڑت تاویلات سے دفاع کیا جاتا ہے۔

اللہ ہمیں حق اور انصاف پر قائم رہتے ہوئے فیصلہ کرنے اور کتاب وسنت کے فہم سلف صالحین کے مطابق اپنا منہج بنانے کی توفیق۔(آمین)

دو رکعت یا ایک تشہد والی نماز میں تورک سے متعلق ایک صحیح اور صریح حدیث

ابوالفوزان کفایت اللہ السنابلی

یہ مضمون اہل السنۃ میں شائع ہو چکا ہے، اہل السنۃ کے بعض قارئین کے اصرار پر ہم اس مضمون کو دوبارہ معمولی اضافے اور عربی عبارات کے ترجمہ کے شائع کر رہے ہیں۔ ایڈیٹر

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی 458) نے کہا:

(أخبرنا) أبو عبد الله الحافظ، (قال: حدثني) أبو أحمد الحسين بن علي، (قال: حدثنا) محمد بن إسحاق، (قال: حدثنا) أحمد بن الحسن الترمذي، (حدثنا) الحجاج بن ابراهيم الازرق، (أخبرنا) عبد الله بن وهب، (أخبرني) حيوة، (عن) ابي عيسى سليمان بن كيسان، (عن) عبد الله بن القاسم، قال:

بينما الناس يصلون يطلولون في القيام والقعود و الركوع والسجود اذ خرج عمر بن الخطاب فلما راى ذلک غضب وهيت بهم حتى تجوزوا في الصلاة فانصرفوا فقال عمر اقبلوا على بوجوهكم وانظروا الى كيف اصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم التي كان يصلي فيأمر بها فقام مستقبل القبلة فرفع يديه حتى حاذا بهما منكبيه فكبر ثم غض بصره وخفض جناحه ثم قام قدر ما يقرأ بأم القرأن وسورة من المفصل ثم رفع يديه حتى حاذى بهما منكبيه فكبر ثم ركع فوضع راحتيه على ركبتيه وبسط يديه عليهما ومد عنقه وخفض عجزه غير منصوب ولا متقنع حتى ان لو قطرة ماء وقعت في فقرة قفاه لم تنته ان تقع فمكث قدر ثلاث تسبيحات غير عجل ثم كبر وذكر الحديث الى ان قال ثم كبر فرفع رأسه فاستوى على عقبيه حتى وقع كل عظم منه موقعه ثم كبر فسجد قدر ذلک ورفع رأسه فاستوى قائما ثم صلى ركعة اخرى مثلها ثم استوى جالسا فنحى رجليه عن مقعدته والزم مقعدته الارض ثم جلس قدر ان يتشهد بتسع كلمات ثم سلم وانصرف فقال للقوم هكذا كان رسول الله ﷺ يصلي بنا.[أخرجه البيهقي في الخلافيات،انظر: مسند الفاروق لابن كثير:ج١ص١٦٤،١٦٦، وشرح الترمذي لإبن سيد الناس: ج ٢ ص٧١٢مخطوط، وفيه ذكر إسناده كاملا وذكره أيضا مختصرا الحافظ ابن حجر في الدراية في تخريج أحاديث الهداية:ج١ ص ١٥٤والزيلعي في نصب الراية:ج١ص٤١٥وإسناده صحيح]۔

ترجمة الحديث:

عبداللہ بن قاسم کہتے ہیں کہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور بہت لمبے لمبے قیام اور رکوع، سجود اور تشہد کر رہے تھے، اسی دوران عمر فاروق رضی اللہ عنہ آ گئے، اور جب انہیں اس حال میں دیکھا تو غضبناک ہو گئے اور انہیں تنبیہ کی، اس کے بعد لوگوں نے معتدل نماز پڑھی، جب سب لوگ نماز سے فارغ ہو گئے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: تم سب میری طرف اپنے چہروں کے ساتھ متوجہ ہو جاؤ، اور دیکھو کہ میں تمہیں کس طرح اللہ کے نبی ﷺ کی وہ نماز پڑھ کر بتاتا ہوں جس نماز کو آپ ﷺ پڑھتے تھے اور اسی کا حکم بھی دیتے تھے۔

پھر عمر فارق رضی اللہ عنہ قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو گئے پھر ہاتھ اٹھایا یہاں تک کہ انہیں اپنے دونوں کندھوں کے برابر لے گئے پھر اللہ اکبر

کہا اس کے بعد نگاہ جھکالی، اور ہاتھ نیچے کر لئے پھر اتنی دیر کھڑے رہے جس میں سورہ فاتحہ اور مفصل کی ایک سورت پڑھی جاسکے، پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک اٹھایا اور اللہ اکبر کہا، پھر رکوع کیا اور اپنے دنوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ لیا اور اپنے دنوں ہاتھ کو ان پر پھیلا دیا، پھر اپنی گردن ذرا اوپر کر کے اور پشت جھکا کر ایسی کیفیت اختیار کی کہ اس میں نہ تو آپ اٹھے ہوئے معلوم ہوتے اور نہ ہی جھکے ہوئے حتی کہ اس حالت میں اگر آپ کے سر کے پاس پانی کی بوند گرتی تو ٹھہر جاتی۔

پھر آپ اس حالت میں اطمینان کے ساتھ اتنی دیر تک رہے جس میں تین بار تسبیح (سبحان ربی الاعلی) پڑھی جاسکے۔

اس کے بعد اللہ اکبر کہا، راوی نے اس کے بعد پوری حدیث بیان کی جس میں آگے ہے کہ: پھر عمر فارق رضی اللہ عنہ نے اپنا سر اٹھایا اور اپنی ایڑیوں پر سیدھے کھڑے ہوگئے، حتی کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر واپس آگئی، پھر آپ نے اللہ کہا اور رکوع کی مقدار ہی میں سجدے کئے۔

اس کے بعد سجدے سے اٹھے اور کھڑے ہوگئے **اس کے بعد آپ نے دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھی**، اور پھر بیٹھ گئے اور اپنے **دونوں پاؤں کو سرین کے ایک طرف (دائیں) کرلیا، اور اپنے سرین کو زمین سے چپکا دیا (یعنی تورک کیا)** پھر اتنی مقدار میں بیٹھے جس میں نو کلمات کا تشہد پڑھ سکیں۔ **اس کے بعد آپ نے سلام پھیر دیا** اور نماز ختم کردی، پھر لوگوں سے کہا: اللہ کے نبی ﷺ ہمیں اسی طرح نماز پڑھاتے تھے۔

توضیحات:

۞ مذکورہ حدیث میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو کچھ عمل کیا اسے مکمل اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا، بلکہ یہاں تک کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حکم دیتے تھے، چنانچہ فرمایا:

وانظروا الی کیف اصلی بکم صلاۃ رسول اللہ ﷺ التی کان یصلی فیأمر بھا

یعنی دیکھو کہ میں تمہیں کس طرح اللہ کے نبی ﷺ کی وہ نماز پڑھ کر بتاتا ہوں جس نماز کو آپ ﷺ پڑھتے تھے اور اسی کا حکم بھی دیتے تھے۔

اسی طرح کی بات ایک دوسرے صحابی ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے بھی کہی تھی جب انہوں نے بھی لوگوں کو نماز سکھائی ان کے الفاظ تھے:

أَنَا کُنْتُ أَحْفَظَکُمْ لِصَلَاۃِ رَسُول اللّٰہ

یعنی میں تم میں سب سے زیادہ رسول اکرم ﷺ کی نماز کی کیفت یاد رکھنے والا ہوں [بخاری 828]۔

۞ اس حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں:

ثم استوی جالسا فنحی رجلیه عن مقعد ته والزم مقعد ته الارض .

یعنی پھر بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پاؤں کو سرین کے ایک طرف (دائیں) کرلیا، اور اپنے سرین کو زمین سے چپکا دیا (یعنی تورک کیا)۔

یہ تورک کی کیفیت ہے، چنانچہ بعض روایات کے مطابق ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے بھی آخری رکعت میں انہیں الفاظ کے ساتھ تورک کی کیفیت بیان کی ہے چنانچہ مسند شافعی میں ابوحمید ساعدی کے الفاظ ہیں:

فإذا جلس فی الأربع أمَاط رجلیه عن ورکه وأفضی بمَقْعَدته الأرض،

یعنی پھر جب چوتھی رکعت میں بیٹھے تو اپنے دونوں پاؤں کو سرین کے ایک طرف (دائیں) کرلیا، اور اپنے سرین کو زمین سے چپکا دیا (یعنی تورک کیا)۔ [مسند الشافعی: ص 41 رقم 166، وأصله فی البخاری]۔

۞ اس حدیث میں جو یہ کہا گیا:

"ثم صلی رکعة اخری"

یعنی پھر آپ نے دوسری رکعت پڑھی۔

پھر اس کے بعد یہ کہا گیا:

"ثم سلم وانصرف"
یعنی پھر سلام پھیر دیا اور نماز ختم کردی۔

یہ الفاظ اس بارے بالکل صریح اور قطعی ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دو رکعت والی نماز کی کیفیت بتلائی تھی۔

معلوم ہوا کہ دو رکعت والی نماز میں تورک ہی کیا جائے گا یہی اللہ کے نبی ﷺ کی سنت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی پر عمل پیرا تھے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک رکعت والی وتر نماز کی آخری بیٹھک (تشہد) میں بھی تورک ہی کریں گے کیونکہ پیش کردہ حدیث میں دو رکعت والی نماز کا ذکر ہے اور دو رکعت والی نماز میں بھی صرف ایک ہی تشہد ہوتا ہے، جس طرح وتر کی ایک رکعت میں بھی صرف ایک ہی تشہد ہوتا ہے۔ لہٰذا جب ایک تشہد والی نماز میں تورک ثابت ہوگیا تو ہر ایک تشہد والی نماز میں تورک کیا جائے گا خواہ یہ یک تشہدی نماز دو رکعت والی ہو جیسے جمعہ اور فجر وغیرہ کی نماز، یا ایک رکعت والی ہو جیسے وتر کی نماز۔ کیونکہ ان سب میں ایک ہی تشہد ہوتا ہے اور ایک تشہد والی نماز میں پیش کردہ حدیث کی رو سے تورک ثابت ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث کے برعکس کسی صحیح تو درکنار کسی ضعیف بلکہ موضوع اور من گھڑت حدیث میں بھی یہ نہیں ملتا ہے کہ دو رکعت والی نماز میں یا ایک تشہد والی نماز میں پاؤں پر بیٹھنا مسنون ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے صفۃ الصلاۃ میں نسائی کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس میں نہ تو بائیں پاؤں پر بیٹھنے کی صراحت ہے اور نہ ہی یہ صراحت ہے کہ یہ دو رکعت والی نماز تھی اور نہ ہی اس میں سلام پھیرنے کا ذکر ہے بلکہ اسی حدیث کے بعض طرق میں یہ صراحت ملتی ہے کہ یہ چار رکعت والی نماز تھی تفصیل کے لئے دیکھئے: اہل السنۃ اپریل ۲۰۱۲ء۔

❁ درجۃ الحدیث:

مذکورہ حدیث کی سند بالکل صحیح ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب "الدرایۃ" ج ۱ ص ۲۵۴ میں مختصراً نقل کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے، بعض کے نزدیک اس کتاب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا سکوت حدیث کی تصحیح یا تحسین پر دال ہے۔

نیز معاصرین میں سے حافظ زبیر علی زئی نے اپنی کتاب "نور العینین فی مسئلۃ رفع الیدین": ص ۲۰۱ پر اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

❁ سند کے رجال کا مختصر تعارف:

❁ **عبد الله بن القاسم، (الراوی عن عمر بن الخطاب):**

آپ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، دیکھئے: [إكمال تهذيب الكمال: ج ٨ ص ١٢٤ ت ٣١٢٩، تهذيب الكمال للمزي: ١٥/ ٤٣٨]۔

اور ابو عیسی سلیمان بن کیسان کے استاذ ہیں دیکھئے: [الجرح و التعديل لابن أبي حاتم: ٤/ ١٤٧ رقم ٦٠٢]۔

آپ ثقہ ہیں، کبار تابعین میں سے ہیں ان پر کسی ایک بھی محدث نے کوئی بھی جرح نہیں کی ہے بلکہ:

❁ امام ابن حبان (المتوفی ۳۵۴) نے انہیں ثقہ کہا ہے [الثقات لابن حبان: ج ٥ ص ٤٦]۔

❁ امام ابن خلفون رحمہ اللہ (المتوفی ٦٣٦) نے بھی انہیں ثقہ کہا ہے [اکمال تہذیب الکمال: ج ۸ ص ۱۲۴ ت ۳۱۲۹]۔

❁ امام ہیثمی (۸۰۷) نے بھی انہیں ثقہ کہا ہے [مجمع الزوائد للهيثمي: ج ١٠ ص ١٥٤]۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کی ایک روایت کو فتح الباری میں نقل کر کے کہا: "اسناد حسن"، دیکھیں: [فتح الباري: ج ١ ص ١١٠ كتاب الإيمان: باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، قبل الحديث 48]۔

❁ امام ابن کثیر رحمہ اللہ "مولی ابی بکر" سے معروف ایک راوی کے بارے میں کہتے ہیں:

"يكفيه نسبته إلى أبي بكر الصديق، فهو حديث حسن"

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت ہی کافی ہے اس لئے یہ حدیث حسن ہے [تفسير ابن كثير: ج ٢ ص ١٥]۔

❁ امام طحاوی رحمہ اللہ بھی اس طرح کے ایک راوی کے بارے میں کہتے ہیں:

لكن جهالته لاتضر اذ تكفيه نسبته الى الصديق.

لیکن اس کی جہالت مضر نہیں کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت ہی کافی ہے[اتحاف المتقنين: ج٥ ص٥٩]۔

یادرے کہ زیرتذکرہ راوی ابن القاسم بھی مولی ابوبکر سے معروف ہے، لہذا معلوم ہوا کہ یہ راوی امام ابن کثیر اور امام طحاوی رحمہما اللہ کے نزدیک بھی حسن الحدیث ہے۔

نیز مذکورہ محدثین کی توثیق کے ساتھ ساتھ اس راوی سے تین سے زیادہ ثقہ رواۃ نے بھی روایت لی ہے لہٰذا بعض محدثین مثلا علامہ محدث البانی رحمہ اللہ وغیرہم کے اس اصول سے بھی یہ راوی ثقہ ہے[تمام المنة: ص٢٠٤ تا ٢٠٧]۔

۞ علامہ محدث ناصرالدین البانی رحمہ اللہ نے اسی اصول کی بنیاد پر **حدیث العجن** (آٹا گوندھنے کی شکل میں ہاتھ ٹیک کر نماز میں اگلی رکعت کے لئے اٹھنے سے متعلق روایت) کو حسن قرار دیا ہے[تمام المنة: ص٢٠٤ تا ٢٠٧]۔

نیز اسی اصول کی بنیاد پر علامہ البانی رحمہ اللہ نے ابوداؤد کی حدیث نمبر(2795) کی تضعیف سے رجوع کر کے اسے حسن کہا ہے،[هداية الرواة: ج٢ص١٢٨]۔

۞ شیخ شعیب الأرنؤوط نے مسند أحمد پر اپنی تعلیق میں راوی مذکور پر مشتمل ایک سند کے بارے میں کہا: "**إسناده حسن**" [مسند احمد محقق: ج٥ ص٢٧٠ رقم ٢٢٣٨٢]۔

۞ ابو عيسى سليمان بن كيسان (الراوى عن عبد الله بن القاسم):

آپ عبداللہ بن القاسم کے شاگرد اور حیوہ بن شریح کے استاذ ہیں، دیکھئے:[الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ١٣٧/٤ ت ٦٠٢]۔

آپ ثقہ ہیں، آپ پر کسی بھی محدث نے جرح نہیں کی ہے، آپ کو:

۞ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے:[الثقات: ج٦ ص٣٩٢]۔

۞ امام ذہبی نے بھی آپ کو ثقہ کہا ہے[الكاشف: ج٢ ص ٤٤٩]۔

علامہ البانی رحمہ اللہ آپ کی ثقاہت ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"**قول الحافظ فى أبى عيسى الخراسان "مقبول" تقصير غير مقبول؛ فالرجل ثقة -كما قال ابن حبان والذهبى -، وروى عنه جمع من الثقات -كما بينت فى "تيسير انتفاع الخلان بثقات ابن حبان"**"،

ابوعیسی خراسانی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مقبول کہنا کوتاہی پر مبنی ہے جو درست نہیں، کیونکہ یہ راوی ثقہ ہے جیسا کہ امام ابن حبان اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے کہا ہے اور اس سے ثقہ کی ایک جماعت نے روایت لی ہے جیسا کہ میں نے "**تيسير انتفاع الخلان بثقات ابن حبان**" میں بیان کیا ہے۔ دیکھیں:[سلسلة الأحاديث الضعيفة :ج ١٤ ص ٥٧٧]۔

تحریر التقریب کے مصنفین کہتے ہیں:

"**صدوق حسن الحديث**" [تحرير التقريب: ص٢٤٧]۔

۞ حيوة بن شريح بن صفوان، (الراوى عن ابى عيسى سليمان بن كيسان):

آپ سلیمان بن کیسان کے شاگرد ہیں دیکھئے:[الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ١٤٧/٤ رقم ٦٠٢]۔

اور عبداللہ بن وھب کے استاذ ہیں، دیکھئے:[تهذيب التهذيب: ج٣ص٦٩ ت١٣٥]۔

آپ ثقہ ہیں[تقریب رقم 160]، کسی بھی محدث نے آپ پر جرح نہیں کی ہے نیز آپ بخاری ومسلم کے رجال میں سے ہیں، مثلا دیکھئے بخاری حدیث نمبر 3694 اور مسلم حدیث نمبر 2550، نیز ملاحظہ [تهذيب التهذيب: ج٣ص٦٩ ت١٣٥]۔

۞ عبد الله بن وهب، (الراوى عن حيوة بن شريح):

آپ حیوہ بن شریح کے شاگرد ہیں: دیکھئے:[تهذيب التهذيب: ج٣ ص٦٩ ت١٣٥]۔

اور الحجاج بن ابراہیم الازرق کے استاذ ہیں: دیکھئے:[تہذیب: ج٢ ص١٩٥ ت٣٦٤]۔

آپ ثقہ ہیں دیکھئے تقریب رقم 3694۔

امام أبو یعلی الخلیلی رحمہ اللہ (المتوفی 446) نے کہا:

ثِقَةٌ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، یعنی آپ کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے [الإرشاد للخليلي: ٢٥٥/١]۔

نیز آپ بخاری ومسلم کے رجال میں سے ہیں، مثلاً دیکھئے بخاری حدیث نمبر3694 اور مسلم حدیث نمبر2550۔

الحجاج بن ابراهيم الازرق، (الراوی عن عبد الله بن وهب):

آپ عبداللہ بن وھب کے شاگرد ہیں، دیکھئے:[تہذیب: ج ۲ ص ۱۹۵ ت۳۶۴]۔

اوراحمد بن الحسن الترمذی کے استاذ ہیں۔دیکھئے:[تهذيب الكمال: ج ۱ ص ۲۹۰ ، ۲۹۱ت۲۵]۔

آپ ثقہ فاضل ہیں، دیکھئے تقریب1118۔

امام عجلی رحمہ اللہ(المتوفی261)نے کہا:

ثقة صاحب سنة [تاريخ الثقات للعجلى:۲۸۳/۱]۔

امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ(المتوفی277)نے کہا:

هو ثقة [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:۱۵۴/۳]۔

آپ کواور بھی محدثین نے ثقہ کہا اس کے برعکس کسی بھی محدث نے آپ پر جرح نہیں کی ہے نیز آپ سے ایک جماعت نے روایت لی ہے۔

أحمد بن الحسن الترمذی (الراوی عن الحجاج بن ابراهيم الازرق):

آپ حجاج بن ابراہیم کے شاگرد اور امام ابن خزیمہ کے استاذ ہیں، دیکھئے:[تهذيب الكمال: ج ۱ ص ۲۹۰ ، ۲۹۱ت۲۵]۔

آپ ثقہ حافظ ہیں دیکھئے تقریب:25۔

کسی بھی محدث نے آپ پر جرح نہیں کی ہے۔

نیز آپ صحیح بخاری کے رجال میں سے ہیں، مثلاً دیکھئے بخاری حدیث نمبر4473۔

محمد بن إسحاق (الراوی عن أحمد بن الحسن الترمذی):

آپ حجاج بن ابراہیم کے شاگرد ہیں، دیکھئے:[تهذيب الكمال: ج ۱ ص ۲۹۰ ، ۲۹۱]۔

اور ابواحمد الحسین الترمذی کے استاذ ہیں، دیکھئے: تاریخ بغداد: ج ۸ ص ۷۴ تحت الرقم ۴۱۵۴۔

آپ "صحيح ابن خزيمه" اور بہت ساری کتب احادیث کے مصنف اور بلند پایہ ثقہ امام ہیں، آپ محتاج تعارف نہیں۔

أبو أحمد الحسين بن علی (الراوی عن محمد بن إسحاق):

آپ امام ابن خزیمہ کے شاگرد ہیں، دیکھئے:[تاريخ بغداد: ج ۸ ص ۷۴ تحت الرقم ٤١٥٤]۔

اور امام حاکم (ابوعبداللہ) کے استاذ ہیں، دیکھئے:[معرفة السنن والآثار للبيهقي: ج٦ ص٤٠٤ رقم ٩١١٨]۔

آپ ثقہ وحجت ہیں، دیکھئے[تاريخ بغداد:٧٤/٨ت٤١٥٤]۔

کسی بھی محدث نے آپ پر جرح نہیں کی ہے۔

أبو عبد الله الحافظ، (الراوی عن أبی أحمد الحسين بن علی):

آپ أبوأحمد الحسین بن علی کے شاگرد اور امام بیہقی کے استاذ ہیں دیکھئے:[معرفة السنن والآثار للبيهقي: ج٦ ص٤٠٤ رقم ٩١١٨]۔

آپ "مستدرک الحاکم" اور بہت ساری کتب کے مصنف ہیں، اور ثقہ اور حجت ہیں، آپ بھی محتاج تعارف نہیں۔

مصنف الخلافيات (الإمام البيهقی) (الراوی عن أبی عبد الله الحافظ):

آپ امام حاکم رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں[عام كتب بيهقى]۔

آپ "السنن الكبرى" اور بہت ساری کتب احادیث کے مصنف اور بالاتفاق ثقہ ہیں، آپ بھی محتاج تعارف نہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث کی سند بالکل صحیح ہے، والحمدللہ۔

قرآنی آیات کا جواب۔

ابوالفوزان کفایت اللہ سنابلی

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۵ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ إِذَا قَرَأَ: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، قَالَ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى.

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ﴿سبح اسم ربک الاعلی﴾ اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح بیان کیجئے۔ کی تلاوت کرتے تو (جواباً) فرماتے **سبحان ربی الاعلی** پاک ہے میرا رب جو سب سے بلند و بالا ہے۔[سنن أبي داود:۔ كِتَاب الصَّلَاةِ: بَابُ الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ، حديث نمبر:۸۸۳]۔

یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ایک راوی ''عمرو بن عبداللہ بن عبید أو علی أو ابن أبی شعیرۃ، الہمدانی، أبو إسحاق السبیعی الکوفی'' ہیں۔ انہوں نے عن سے روایت کیا ہے اور یہ مدلس راوی ہیں۔

۞ امام مغیرۃ بن مقسم الضبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۳۶ھ) نے انہیں خطرناک مدلس کہا ہے:

امام احمد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

حَدثنَا أَبُو أُسَامَة عَن مفضل بن مهلهل عَن مُغيرَة قَالَ مَا أفسد أحد حَدِيث الْكُوفَة إِلَّا أَبُو إِسْحَاق يَعْنِي السبيعِي وَسليمَان الْأَعْمَش.

کوفہ کی حدیث ابواسحاق سبیعی اور اعمش نے ہی فاسد کیا ہے[العلل ومعرفة الرجال لأحمد رواية ابنه عبد الله ۱/ ۲۴۴ واسناده صحيح، واخرجه ايضا ابن عدى فى الكامل:۔ ۱/ ۲۴۲ و ابن عساكر فى تاريخ دمشق :۔ ۴۶/ ۲۳۳ من طريق ابى اسامه به]۔

۞ امام جوزجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۹ھ) نے کہا:

حدثني إسحاق بن إبراهيم حدثنا جرير سمعت مغيرة يقول غير مرة أهلك أهل الكوفة أبو إسحاق وأعيمشكم هذا.

اہل کوفہ کو ابواسحٰق اور اعمش نے ہلاک کر دیا [أحوال الرجال للجوزجاني:۔ ص: ۱۱ واسناده صحيح]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مغیرہ رحمہ اللہ کے قول کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ یہ تدلیس کی طرف اشارہ ہے، ملاحظہ ہو: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے الفاظ:

قال أفسد حديث أهل الكوفة الأعمش وأبو إسحاق يعني للتدليس.

امام مغیرہ نے جو یہ کہا کہ اہل کوفہ کی حدیث کو اعمش اور ابواسحاق نے فاسد کر دیا تو اس سے مراد تدلیس ہے[تهذيب التهذيب لابن حجر:۔ ۲۴/ ۶۷]۔

۞ امام شعبۃ بن الحجاج رحمہ اللہ کا درج ذیل قول ابواسحاق سبیعی کے مدلس ہونے کی دلیل ہے:

امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۷ھ) نے کہا:

أخبرنا أحمد بن علي الأديب، أخبرنا الحاكم أبو عبد الله إجازة، حدثنا محمد بن صالح بن هاني، حدثنا إبراهيم بن أبي طالب، حدثنا رجاء الحافظ المروزي، حدثنا النضر بن شميل. قال: سمعت شعبة يقول: كفيتكم تدليس ثلاثة: الأعمش، وأبي إسحاق، وقتادة.

امام شعبہ کہتے ہیں کہ میں تم سب کے لئے اعمش، ابواسحاق اور قتادہ

کی تدلیس کے لئے کافی ہوں[مسألة التسمية لابن القيسراني:۔ ص:٤٧ واسناده صحيح]۔

۞ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ(المتوفی:۳۱۰ھ) نے کہا:

وَأَبُو إِسْحَاقَ كَانَ مِنْ أَهْلِ التَّدْلِيسِ.

ابواسحاق مدلسین میں سے تھے[تهذيب الآثار مسند علي، للطبري:۔۲٤٧/۳]۔

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ(المتوفی:۳۵۴ھ) نے کہا:

كان مدلسا.

یہ مدلس تھے [الثقات لابن حبان:۔۱۷۷/۵]۔

۞ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸ھ) نے بھی انہیں مدلسین میں گنایا ہے۔[منظومة الحافظ الذهبي في اسماء المدلسين:۔ص:۱]۔

۞ صلاح الدین العلائی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۶۱ھ) نے انہیں مدلسین میں گنایا ہے۔[جامع التحصيل للعلائي:۔ص:٧٦]۔

۞ امام ابن الملقن رحمہ اللہ(المتوفی:۸۰۴ھ) نے کہا:

وَأَبُو إِسْحَاق السبيعِي كَانَ مدلسًا.

ابواسحاق سبیعی یہ مدلس تھے[البدر المنير لابن الملقن:۔ ٦٣٤/۳]۔

۞ امام أبوزرعۃ ابن العراقی رحمہ اللہ(المتوفی:۸۲۶ھ) نے بھی انہیں مدلسین میں گنایا ہے۔[المدلسين لابن العراقي:۔ص:٧٧]۔

۞ امام سبط ابن العجمی الحلبی رحمہ اللہ (المتوفی:۸۴۱ھ) نے بھی انہیں مدلسین میں گنایا ہے۔[التبيين لأسماء المدلسين للحلبي:ص:٤٤]۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ(المتوفی:۸۵۲ھ) نے کہا:

عمرو بن عبد الله السبيعي الكوفي مشهور بالتدليس

عمر بن عبداللہ سبیعی کوفی (ابواسحاق) یہ تدلیس میں مشہور ہیں[طبقات المدلسين لابن حجر:۔ص:٤٢ المرتبه الثالثه]۔

۞ امام سیوطی رحمہ اللہ(المتوفی:۹۱۱ھ) نے کہا:

مشهور بالتدليس.

یہ تدلیس میں مشہور ہیں[أسماء المدلسين للسيوطي:۔ص:٧٧]۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابواسحاق مدلس راوی ہے اور اس نے مذکورہ روایت کوعن سے بیان کیا ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابواسحاق السبیعی کو مدلسین کے تیسرے طبقہ میں رکھا ہے اور ایسے مدلسین کی معنعن روایات بالاتفاق ضعیف ہوتی ہیں۔

تنبیہ:

علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ حدیث کی سند میں اس کمزوری کو تسلیم کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

وهذا إسناد رجاله كلهم ثقات رجال الشيخين؛ غير أن أبا إسحاق -وهو عمرو بن عبد الله السبِيعي -كان اختلط، ثم هو مدلس، وقد عنعنه. قال الحافظ:في"التقريب:" "ثقة عابد، اختلط بآخره."وفاته وَصْفُهُ بالتدليس!مع أنه قد أورده في المرتبة الثالثة من رسالته" طبقات المدلسين" فقال :(ص ١٤) "مشهور بالتدليس، وهو تابعي ثقة، وصفه النسائي وغيره بذلك."وكذلك أورده الحافظ برهان الدين الحلبي في "التبين" (ص ١٣).هذه علة الحديث عندي.

اس سند کے سارے رجال ثقہ ہیں اور صحیحین کے رجال میں سے ہیں سوائے ابواسحاق کے، یہ عمرو بن عبداللہ سبیعی ہیں یہ اختلاط کے شکار ہوگئے تھے نیز یہ مدلس بھی ہیں اور یہاں انہوں نے عن سے روایت کیا ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تقریب'' کہا: یہ ثقہ عابد ہیں، آخر میں اختلاط کے شکار ہوگئے تھے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان کے مدلس ہونے کا تذکرہ کرنا بھول گئے حالانکہ خود انہوں نے ہی اپنی کتاب ''طبقات المدلسین میں اسے تیسرے طبقہ کا مدلس بتلایا ہے، چنانچہ ص۱۴ پر کہا: ''یہ تدلیس میں مشہور ہیں، ثقہ تابعی ہیں، امام نسائی وغیرہ نے انہیں مدلس بتلایا ہے'' اسی طرح حافظ برہان الدین حلبی نے بھی انہیں ''التبیین لأسماء المدلسین'' ص۱۳ پر انہیں ذکر کیا ہے۔میرے نزدیک یہ اس حدیث کی علت ہے[صحيح أبي داؤد ۔ الأم:۔٣٨/٤]۔

لیکن علامہ البانی رحمہ اللہ نے بعض ضعیف اور وہ بھی موقوف روایات کولیکر اس حدیث کوصحیح کہہ دیا،فرماتے ہیں:

لكن للحديث شاهدان...

لیکن یہ حدیث حسن ہے اس کے دوشواہد ہیں ...[صحيح أبي داؤد (الام) للالباني:۔ ٤٠/٤]۔

ذیل میں علامہ البانی رحمہ اللہ کے اس کلام کا جائزہ پیش خدمت ہے

❁ علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا:

أحدهما: عن قتادة...... مرسلاً: أن نبی الله ﷺ کان إذا قرأها قال: "سبحان ربی الأعلی." أخرجه عبد بن حمید کما فی " الدر المنثور" (٣٢٦/٦)

پہلا شاہد قتادہ سے مروی ہے جو مرسل ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب " سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلَی " پڑھتے تو "سبحان ربی الأعلی" کہتے اسے عبد بن حمید نے روایت کی ہے جیسا کہ "درمنثور: ٣٢٦/٦" میں ہے۔[صحیح أبی داؤد (الام) للالبانی:۔٣٩/٤]۔

عرض ہے کہ قتادہ کی یہ روایت مرسل ہے نیز اس کی سند کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے درمنثور سے نقل کیا ہے موصوف خود اس کی سند اور اس کے اصل مرجع سے واقف نہیں ہو سکے، اور ہمیں بھی عبد بن حمید کی مطبوعہ کتابوں میں یہ روایت نہیں مل سکی۔

غور فرمائیں کہ یہ رویت ایک تو ویسے ہی مرسل یعنی ضعیف ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کی سند کا ہی کوئی اتہ پتہ نہیں تو اسے شواہد میں کیسے لے سکتے ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ سند سخت ضعیف اور سخت ضعیف روایت شواہد میں کسی کے یہاں بھی نہیں لی جاسکتی اس لئے کسی بھی روایت کو شواہد میں لینے سے قبل یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ اس میں ہلکا ضعف ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

❁ علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا:

والأخر: عن علی بن أبی طالب: أنه قرأ: (سبح اسم ربک الأعلی) ؛ فقال: سبحان ربی الأعلی؛ وهو فی الصلاة. فقیل له: أتزید فی القرآن؟! قال: لا؛ إنما أمرنا بشیء فَقُلْتُهُ! أخرجه الفِرْیابی وابن أبی شیبة وعبد بن حمید وابن الأنباری فی "المصاحف."

دوسرا شاہد علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے " سبح اسم ربک الأعلی " پڑھا تو کہا: "سبحان ربی الأعلی " تو ان سے کہا گیا: کیا آپ قرآن میں اضافہ کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ ہمیں ایک چیز کا حکم دیا گیا ہے جسے میں نے کہا۔ اسے فریابی، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید اور ابن الانباری نے "مصاحف" میں نقل کیا ہے [صحیح أبی داؤد (الام) للالبانی:۔٣٩/٤]۔

عرض ہے کہ یہاں بھی علامہ البانی رحمہ اللہ نے درمنثور سے سیوطی کے الفاظ نقل کر دئے ہیں۔

سیوطی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وأخرج الفریابی وابن أبی شیبة وعبد بن حمید وابن الأنباری فی المصاحف عن علی بن أبی طالب أنه قرأ سبح اسم ربک الأعلی فقال: سبحان ربی الأعلی وهو فی الصلاة فقیل له: أتزید فی القرآن قال: لا إنما أمرنا بشیء فقلته. [الدر المنثور:۔٤٨٢/٨]۔

یعنی ہو بہو علامہ البانی نے سیوطی کے الفاظ نقل کئے ہیں اور خود اصل مراجع اور مذکورہ روایت کی سند سے واقف نہیں ہو سکے ہیں۔

لیکن الحمدللہ مجھے ابوبکر الانباری کی سند مل گئی ہے جسے مکمل طور پر امام قرطبی نے نقل کیا ہے ملاحظہ ہو:

امام القرطبی (المتوفی: ۶۷۱ھ) نے کہا:

قَالَ أَبُو بَكْرٍ الْأَنْبَارِيّ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ شَهْرَيَارَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ الْأَسْوَدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي حَمَّادٍ قال: حدثنا عیسی ابن عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَرَأَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي الصَّلَاةِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى، فَلَمَّا انْقَضَتِ الصَّلَاةُ قِيلَ لَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَتَزِيدُ هَذَا فِي الْقُرْآنِ؟ قَالَ: مَا هُوَ؟ قَالُوا: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى. قَالَ: لَا، إِنَّمَا أُمِرْنَا بِشَيْءٍ فَقُلْتُهُ.

علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے " سبح اسم ربک الأعلی " پڑھا تو کہا: "سبحان ربی الأعلی " تو جماعت ختم ہونے کے بعد ان سے کہا گیا: کیا آپ قرآن میں اضافہ کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: کیسے؟ تو لوگوں نے کہا: "سبحان ربی الأعلی " تو علی انہوں نے جواب دیا: نہیں، بلکہ ہمیں ایک چیز کا حکم دیا گیا ہے جسے میں نے کہا [تفسیر القرطبی :۔١٤/٢٠]۔

یہ روایت سخت ضعیف ہے اس میں کئی علتیں ہیں۔

❁ پہلی علت:

علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا عیسیٰ ابن عمر کا باپ غیر متعین ہے، یہ بھی نہیں معلوم کی علی رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ہے یا نہیں علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی فہرست میں عیسیٰ بن عمر کے والد کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

❁ دوسری علت:

عَبْد الرَّحْمَن بْن أَبِي حمّاد التَّمِيميّ الكُوفيُّ المقرء.

یہ بھی مجہول ہے۔[تاريخ الإسلام ت بشار :۔ ۱۰۷/۵، معرفة الرجال لابن معين:۔ ۱/رقم: ۱۹٤، وتاريخ الطبرى:۔ ۳۳٤/۱، والجرح والتعديل :۔ ۲۲٤/۵، رقم: ۱۱٦۲، وغاية النهاية لابن الجزرى:۔ ۳٦۹/۱۔ ۳۷۰، رقم ۱۵۷۲]۔ میں اس کا تذکرہ ملتا ہے مگر اس کی توثیق کہیں نہیں ملتی۔

❁ تیسری علت:

"حُسَيْنُ بْنُ الْأَسْوَدِ " یہ **"الحسين بن علي بن الأسود العجلي ، أبو عبد الله الكوفي"** ہے۔

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵ھ) نے کہا:

يسرق الحديث، وَلِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْأَسْوَدِ أَحَادِيثُ غَيْرُ هَذَا مِمَّا سَرَقَهُ مِنَ الثقات وأحاديثه، لا يُتَابَعُ عَليها.

یہ حدیث چراتا ہے،اس کی پیش کردہ احادیث کے علاوہ کئی احادیث ہیں جسے اس نے ثقات رواۃ اوران کی احادیث سے چرایا ہے اس کی متابعت نہیں کی جاتی[الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى:۔ ۲٤۷/۳]۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

صدوق يخطيء كثيرا.

یہ صدوق ہے، بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے[تقريب التهذيب لابن حجر:۔ ۸۸/۱]۔

❁ تحریر التقریب کے مؤلفین نے بھی اس راوی کو ضعیف کہا ہے، ملاحظہ ہو: [تحرير التقريب:۔ رقم: ۱۳۳۱]۔

اس راوی پر بعض اور محدثین کی جرح بھی منقول ہے:

❁ امام ابن المواق المالکی (المتوفی: ۸۹۷ھ) سے منقول ہے:

رمى بالكدب وسرقة الحديث.

اس پر جھوٹ بولنے اور حدیث چرانے کا الزام ہے[إكمال تهذيب الكمال:۔ ۱/ الورقة ۲٦۰]۔

❁ أبو الفتح الأزْدي، المَوْصِلي (المتوفی: ۳۷۴ھ) سے منقول ہے:

حسين بن عَلِيّ بن الأسود العجلى ضعيف جدا

حسین بن علی بن اسود عجلی، یہ سخت ضعیف ہے[تاريخ بغداد للخطيب البغدادى:۔ ٦۱۷/۸]۔

ازدی گرچہ بذات خود ضعیف ہے لیکن اس جرح میں وہ منفرد نہیں ہیں۔

تنبیہ:

ابن محرز نے کہا:

سمعت ابن نمير وقيل له حسين بن على بن الاسود فقال ارجو ان يكون صدوقا ان شاء الله. [معرفة الرجال لابن معين:۔ ۲۲۷/۲]۔

لیکن ابن نمیر سے یہ قول ثابت نہیں کیونکہ اس کا ناقل ابن محرز خود مجہول اور نامعلوم التوثیق ہے۔

❁ چوتھی علت:

امام أبوبکر الأنباری رحمہ اللہ کا استاذ محمد بن شہریار مجہول ہے۔

اس کی توثیق کہیں نہیں ملی امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ دمشق میں ان کا تذکرہ کیا ہے مگر ان کی توثیق کے بارے میں کوئی معلومات نہیں دی، ملاحظہ ہو:[تاريخ دمشق لابن عساكر:۔ ۲۵٦/۵۳]۔

معلوم ہوا کہ اس کی سند علتوں سے پر ہے اور یہ روایت سخت ضعیف ہے لہٰذا یہ بھی شاہد نہیں بن سکتی۔

❁ علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا:

وأخرجه البيهقى (۳۱۱/۲)......موقوفاً على على رضى الله عنه. وسنده حسن.

اور بیہقی نے علی رضی اللہ عنہ سے موقوفا اسے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے[صحيح أبى داؤد (الام) للالبانى:۔ ٤۰/٤]۔

عرض ہے کہ:

اول تو اس کی سند صحیح یا حسن نہیں ہے علامہ البانی رحمہ اللہ کا اس کی

سند کو حسن کہنا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بیہقی کی یہ روایت مع سند:

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۸ھ) نے کہا:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ وأبو سعيد بن أبى عمرو قالا ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا أحمد بن عبد الجبار ثنا وكيع عن سفيان عن السدى عن عبد خير قال: سمعت عليا يقرأ (سبح اسم ربك الأعلى) فقال سبحان ربى الأعلى

عبد خیر ہمدانی کہتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو ﴿ **سبح اسم ربک الأعلى** ﴾ پڑھتے ہوئے سنا انہوں نے اس کے بعد ''**سبحان ربی الأعلى**'' کہا[السنن الكبرى للبيهقى :۔ ۳۱۱/۲، رقم:۳۵۰۹،واخرجه ايضا ابن ابى شيبه :۔۲۴۷/۲،رقم:۸۶۴۱من طريق وكيع به]۔

اس روایت کی سند میں ''**أحمد بن عبد الجبار**'' مشہور ضعیف راوی ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں محدثین کے اقوال کا خلاصہ کرتے ہوئے کہا: **ضعیف**، یہ ضعیف ہے[تقريب التهذيب لابن حجر :رقم ٦٤]۔

لہذا اس سند کو علامہ البانی رحمہ اللہ کا حسن قرار دینا تسامح ہے۔البتہ یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

لیکن یہ علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے جیسا کہ خود علامہ البانی نے بھی کہا ہے۔

مجھے سخت حیرت ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ ایک مرسل روایت کی تائید میں ایک موقوف روایت کو کیسے پیش کررہے ہیں، جبکہ خود علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی بعض تحریروں میں اس طرز عمل کی تردید کی ہے چنانچہ تمام المنہ میں لکھتے ہیں:

فقد عاد الحديث إلى أنه موقوف مع ضعف إسناده فلا يصلح شاهدا للمرفوع الذى قبله.

یہ حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ موقوف ہی ہے لہٰذا اس قبل والی مرفوع حدیث کی یہ شاہد نہیں بن سکتی[تمام المنة :۔ص: ۱۱۷]۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

ولا يخفى أن أثر ابن عمر هذا لو صح لا يشهد -كأثر ابن عباس- لحديث الترجمة ، وذلك لأمرين:أن الحديث مرفوع ، والأثر موقوف ...

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر اگر صحیح بھی ثابت ہوجائے جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر کا حال ہے تو بھی یہ پیش کردہ حدیث کا شاہد نہیں دو وجوہات کی بنا پر نہیں بن سکتا، پہلی وجہ یہ کہ یہ کہ اصل حدیث مرفوع ہے اور یہ اثر موقوف ہے۔۔۔[سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيء فى الأمة :۔۷۲۴/۱۱]۔

الغرض یہ کہ یہ روایت موقوف ہے لہٰذا خود علامہ البانی رحمہ اللہ کے اصول کے مطابق ہی شہادت کا کام نہیں دے سکتی۔

❁ علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا:

وله شاهد ثالث موقوف من طريق عمير بن سعيد قال: سمعت أبا موسى يقرأ فى الجمعة بـ :(سبح اسم ربك الأعلى) ؛ فقال:سبحان ربى الأعلى.أخرجه البيهقى بسند صحيح.

اس کا ایک تیسرا موقوف شاہد بھی ہے کہ ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن ﴿ **سبح اسم ربک الأعلى** ﴾ پڑھتے اور ''**سبحان ربی الأعلى**'' کہتے۔اسے بیہقی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے[صحيح أبى داؤد (الام) للالبانى:۔۴۰/۴]۔

عرض ہے کہ اس کہ یہ روایت بھی موقوف ہے اور موقوف روایت مرفوع روایت کے لئے شاہد نہیں بن سکتی جیسا کہ گذشتہ سطور میں وضاحت کی گئی۔

خلاصہ بحث یہ کہ مذکورہ مرفوع روایت ضعیف ہے اسے صحیح کہنا درست نہیں حافظ زبیر علی زئی نے بھی ابوداؤد کی تحقیق میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ مذکورہ روایت ضعیف ہے تو اس سے استدلال کرنا جائز ہی نہیں واضح رہے کہ ذخیرہ احادیث میں صرف یہی ایک مرفوع روایت ہے جس سے عمومی استدلال کیا جاتا ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث اور نفلی نمازوں میں منفرد کے لئے قرآنی آیات کا جواب

عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَافْتَتَحَ الْبَقَرَةَ، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ، ثُمَّ مَضَى، فَقُلْتُ: يُصَلِّي بِهَا فِي رَكْعَةٍ، فَمَضَى، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ بِهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ، فَقَرَأَهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ، فَقَرَأَهَا، يَقْرَأُ مُتَرَسِّلًا، إِذَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيهَا تَسْبِيحٌ سَبَّحَ، وَإِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ، وَإِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ...

صحابی رسول حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ ﷺ نے سورت البقرہ شروع فرمادی تو میں نے کہا کہ آپ ﷺ سو آیات پر رکوع فرمائیں گے پھر آپ ﷺ آگے چلے میں نے دل میں کہا کہ آپ ﷺ اس سورت کو دو رکعتوں میں پوری فرمائیں گے پھر آگے چلے میں نے دل میں کہا کہ آپ ﷺ اس ایک پوری سورت پر رکوع فرمائیں گے پھر آپ ﷺ نے سورت نساء شروع فرمادی پوری سورت پڑھی پھر آپ ﷺ نے سورت آل عمران شروع فرمادی اس کو آپ ﷺ نے ترتیل اور خوبی کے ساتھ پڑھا جب آپ ﷺ اس آیت سے گزرتے کہ جس میں تسبیح ہوتی تو آپ ﷺ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتے اور جب آپ ﷺ کسی ایسے سوال سے گزرتے تو آپ ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوال فرماتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعوذ والی آیت پر سے گزرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پناہ مانگتے ۔۔۔۔[صحیح مسلم :۔ ۱/ ۵۳۶ ،رقم: ۷۷۲]۔

عرض ہے کہ اس حدیث میں صرف نفل نماز کا ذکر ہے اور بغیر کسی تخصیص کے عمومی عمل کا بیان ہے اس سے فرض نمازوں میں استدلال درست نہیں ہے۔

اگر فرض نمازوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل رہا ہوتا تو صحابہ اسے بھی بیان کرتے ، بلکہ فرض نماز والی بات تو اور زیادہ بیان کرتے کیونکہ فرض نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا گیا عمل صحابہ کی ایک بڑی تعداد کے علم میں ہوتا، اور کئی صحابہ اسے بیان کرتے ۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا إنما ورد في صلاة الليل كما في حديث حذيفة المذكور في الكتاب بعد قليل فمقتضى الاتباع الصحيح الوقوف عند الوارد وعدم التوسع فيه بالقياس والرأى فإنه لو كان ذلک مشروعا في الفرائض أيضا لفعله صلى الله عليه و سلم ولو فعله لنقل بل لكان نقله أولى من نقل ذلک في النوافل كما لا يخفى . واعلم أنه لا يناقض هذا الذى ذكرته هنا الأصل الذى بنيت عليه فيما يأتى شرعية الصلاة على النبى صلى الله عليه و سلم في التشهد الأول كما ظن بعض إخواننا المجتهدين في خدمة الحديث الشريف -جزاه الله خيرا -في جملة ما كتب إلى بتاريخ ۱۳۹۷/۸ وذلک لقيام دليل الفرق هنا وهو ما أشرت إليه بقولى :" فإنه لو كان ذلک مشروعا في الفرائض أيضا لفعله النبى صلى الله عليه و سلم ." الخ وذلک لأن الهمم والدواعى تتوفر على نقل مثله فلما لم ينقل دل على أنه لم يفعله صلى الله عليه و سلم فوقفنا مع الدليل المانع هنا من الأخذ بالأصل المشار إليه فظهر أنه لا تناقض والحمد لله وإنما هو التمسک بالدليل الملزم بالتفريق بين المسألتين .والله أعلم.

قرآنی آیت کے جواب دینے کی بات رات کی نفل نماز میں وارد ہوئی ہے جیسا کہ اصل کتاب (فقہ السنہ) میں تھوڑا آگے مذکور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔لہذا صحیح اتباع کا تقاضہ یہ ہے کہ جو چیز جس قدر وارد ہے بس وہیں تک رک جایا جائے اور قیاس ورائے سے اس میں مزید وسعت پیدا نہ کی جائے۔کیونکہ یہ چیز اگر فرائض میں بھی مشروع ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرائض میں بھی ایسا کیا ہوتا، اور اگر آپ ﷺ نے فرائض میں بھی کیا ہوتا تو یہ بھی نقل ہوجاتا، بلکہ فرائض میں کئے گئے اس عمل کو نوافل میں کئے گئے عمل کی بنسبت بدرجہ اولی نقل کیا جاتا جیسا کہ ظاہر ہے۔واضح رہے کہ یہاں پر ہماری ذکر کردہ یہ بات اس اصول کے خلاف نہیں ہے جسے ہم نے آگے تشہد اول میں درود کی مشروعیت سے متعلق بنیاد بنایا ہے جیسا کہ حدیث کی خدمت میں مشغول

ہمارے ایک بھائی - اللہ انہیں جزائے خیر دے - نے مجھے بتاریخ ۸/۷/۱۳۹ لکھے گے خط میں سمجھ لیا۔ اور ایسا اس وجہ سے ہے کیونکہ یہاں فرق کی دلیل موجود ہے اور وہ وہی ہے جس کی طرف میں نے یہ کہتے ہوئے اشارہ کیا" کیونکہ یہ چیز اگر فرائض میں بھی مشروع ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرائض میں بھی ایسا کیا ہوتا۔۔۔ الخ" اس لئے کہ اس جیسی چیز کے نقل کے وسائل ومحرکات موجود تھے، لیکن اس کے باوجود بھی جب اسے نقل نہیں کیا گیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایسا نہیں کیا ہے، پس ہم مذکورہ اصول کو یہاں منطبق کرنے سے اس دلیل کی بنا پر رک گئے ۔ معلوم ہوا کہ ہماری باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے والحمدللہ۔ بلکہ ہم نے دونوں مسئلوں میں فرق کرنے والی لازمی دلیل کو پیش نظر رکھا ہے۔ واللہ اعلم [تمام المنة:۔ ص:۱۸۵]۔

الغرض یہ کہ یہ صرف نفل کا معاملہ ہے فرض نمازوں کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

اور ساتھ میں یہ بھی واضح رہے کہ نفل نماز میں بھی یہ مشروعیت صرف منفرد کے لئے ہے اگر کوئی جماعت سے نفل نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے اس حدیث میں دلیل نہیں ہے۔

آثار صحابہ اور قرآنی آیات کا جواب

بعض لوگ کچھ آثار پیش کرتے ہیں جن میں یہ ملتا ہے کہ بعض صحابہ نے جمعہ وغیرہ کی نماز میں قرآنی آیت کا جواب دیا تو عرض ہے کہ یہ آثار بھی دلیل نہیں بن سکتے کیونکہ اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات والی نماز پر قیاس کرتے ہوئے ایسا عمل کیا ہو، اور گذشتہ سطور میں بتایا جاچکا ہے کہ یہ قیاس درست نہیں ہے، لہٰذا ایسے آثار جن میں اجتہادی عمل وقیاس کا احتمال ہو وہ حجت نہیں ہوں گے، کیونکہ حجت صرف وحی ہوتی ہے اور وحی صرف قرآن وحدیث ہے۔

واضح رہے کہ ان آثار میں بھی کبھی کبھار کی بات ہے کوئی دائمی عمل کا ذکر نہیں ہے نیز یہ بات بھی صرف امام کے تعلق سے ملتی ہے، نہ کی مقتدی سے متعلق ۔ لہٰذا مقتدیوں کا بھی اس پر عمل کرنا بالکل بے بنیاد ہے اس تعلق سے حدیث تو درکنار کوئی اثر بھی نہیں ملتا۔

آمین پر قیاس

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا ثابت ہے لہٰذا قرآنی آیات کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے یہ بالکل بے تکی بات ہے، غور کریں کہ آمین سورہ فاتحہ کے اختتام پر کہی جاتی ہے نہ کہ ہر اس آیت کے بعد جس میں دعاء کا ذکر ہو۔

چنانچہ کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ ہر دعا والی آیت کے جواب میں آمین کہنا مشروع ہے تو جب لفظ آمین دوسرے مقام پر درست نہیں تو دیگر جواب کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

خلاصہ کلام

مقتدی حضرات کا امام کی قرأت کے دوران بعض آیات کا جواب دینا اس تعلق سے سرے سے کوئی دلیل ہے ہی نہیں، جہاں تک منفرد کی بات ہے تو اس کے تعلق سے صرف اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ نفل نمازوں میں عمومی طور پر تسبیح وتعوذ والی آیات کا جواب دے سکتا ہے، فرض نمازوں میں صرف امام کے تعلق سے جواب دینے کے لئے محض بعض آثار ہی ملتے ہیں، مگر یہ دلائل کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ یہ بھی اجتہاد وقیاس کے قبیل سے ہیں، اور اس لئے قابل عمل نہیں ہیں، کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بابت کچھ بھی منقول نہیں ، اگر یہ بات درست ہوتی اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی ہوتی ، تو خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اس بارے میں ہم تک ضرور منقول ہوجاتا۔

☆☆☆

عورت کا سر کے ایک جانب سے مانگ نکالنا

ابوعبید سعدی

بعض حضرات کا خیال ہے کہ مردوں کے لئے سر کے بیچ سے مانگ نکالنا مستحب ہے لیکن عورتوں کو سر کے ایک جانب سے مانگ نکالنا چاہئے کیونکہ انہیں مردوں کی مشابہت سے روکا گیا ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے اور اقرب الی الصواب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مرد حضرات کی طرح خواتین کے لئے بھی مستحب یہی ہے کہ وہ بیچ سے مانگ نکالیں ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

یعنی مسلمانوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین اسوہ ہے، [احزاب:۳۳/۲۱]۔

اس آیت میں اللہ رب العالمین نے رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی اور آپ کے پورے طور طریقے کو بلاتفریق مرد و عورت پوری امت کے لئے ''اسوہ'' قرار دیا ہے، لہٰذا عبادات، معاملات، رہن سہن، لباس و وضع ، زینت و آرائش غرض کہ ہر چیز میں رسول اکرم ﷺ ہی کا اسوہ قابل اتباع ہے اور اس حکم میں بلاتفریق مرد و عورت سبھی شامل ہیں نماز پڑھنے کا جو طریقہ رسول اکرم ﷺ سے منقول ہے ٹھیک وہی طریقۂ نماز عورتوں سے بھی مطلوب ہے، اس حکم کے کسی جزء میں بغیر دلیل شرعی کے عورتوں کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا، یہی حال لباس و زینت کا بھی ہے اس سلسلے میں بھی عورتیں ''اسوۂ نبوی'' ہی کی پابند ہیں، البتہ اس بابت جہاں رسول اکرم ﷺ نے صراحت کے ساتھ عورتوں کے الگ احکام بیان کردئے ہیں وہ احکام عورتوں کے لئے مخصوص ہوں گے ان پر مرد حضرات عمل پیرا نہیں ہوسکتے اور نہ ہی یہاں عورتیں اپنے مخصوص احکام کو چھوڑ کر مردوں کی مشابہت اختیار کرسکتی ہیں، جیسا کہ حدیث ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ،

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان مردوں پر لعنت بھیجی ہے جو عورتوں جیسا چال چلن اختیار کریں اور ان عورتوں پر لعنت بھیجی جو مردوں جیسا چال چلن اختیار کریں، [بخاری:- کتاب اللباس: باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال، رقم ۵۸۸۵]۔

بقیہ دیگر امور لباس و زینت میں عورتیں ''اسوۂ نبوی'' ہی کی پابند ہوں گی لہٰذا ان امور میں عورتوں اور مردوں کے مابین کوئی تفریق نہیں کی جائے گی ، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں صحابیات رضوان اللہ علیہن کا بھی تصور اور طریقہ کار تھا، رسول اکرم ﷺ لباس و زینت سے متعلق جو طریقہ اختیار کرتے یا اس کی تعلیم دیتے تو عورتیں بھی خود کو اس میں شریک سمجھتی تھیں، جیسا کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ''مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ، لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: فَكَيْفَ تَصْنَعُ النِّسَاءُ بِذُيُولِهِنَّ؟، قَالَ: ''يُرْخِينَ شِبْراً''، قَالَتْ: إِذاً تَنْكَشِفُ أَقْدَامُهُنَّ، قَالَ: ''فَيُرْخِينَهُ ذِرَاعاً لَا يَزِدْنَ''،

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص تکبر کے طور پر اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھے گا''۔ یہ سن کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: عورتیں اپنے دامنوں کے بارے میں کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ایک بالشت نیچے لٹکا لیں

''، انہوں نے عرض کیا:''تب ان کے پاؤں ننگے ہوجائیں، آپ نے فرمایا:''تو وہ ایک ہاتھ کے برابر لٹکالیں اس سے زیادہ نہیں''[ترمذی:- کتاب الباس:باب ماجاء فی جر ذیول النساء،رقم۱۷۳۱]۔

یہاں رسول اکرم ﷺ نے صیغہ مذکر کے ساتھ اسبال ازار کا حکم بتلایا اس میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو بھی شامل مانا، اسی لئے ایک اشکال پیش کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے اس انداز فکر وفہم پر کوئی گرفت نہیں کی اور نہ ہی یہ فرمایا کہ یہاں مردوں کی بات ہورہی ہے اس میں عورتیں اپنے آپ کو کیوں شامل کررہی ہیں۔ بلکہ رسول اکرم ﷺ نے اس حکم میں عورتوں کی شمولیت کا اقرار کیا البتہ تھوڑی سی گنجائش دے دی، ظاہر ہے کہ اگر یہ گنجائش نہ ملتی تو عورتیں بھی اس حکم میں بکلی شامل ہوتیں لہٰذا جہاں اس طرح کا استثناء نہیں ہے وہاں بلاتفریق مرد وعورت دونوں شامل حکم ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے عورتوں کے کفن میں صرف تین کپڑے کو مسنون کہا ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ کو صرف تین ہی کپڑوں میں دیا گیا تھا اور اس حکم سے عورتوں کے استثناء کی کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے اس عورتیں بھی اس حکم میں شامل ہوں گی،[احکام الجنائز]

اس تمہید کے بعد آیئے اب اصل مسئلہ پر غور کرتے ہیں کہ عورتوں کے لئے سر کے ایک جانب سے بال پھاڑنے کا کیا حکم ہے، گذشتہ سطور میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ تمام امور کی طرح اس امر میں بھی اسوہ رسول کو تلاش کیا جائے گا، اگر اسوہ رسول موجود ہے تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اس حکم سے عورتیں کسی دلیل کے سبب مستثنیٰ ہیں یا نہیں، اگر استثناء کی کوئی دلیل ہوگی تو عورتیں مستثنیٰ ہوں گی، ورنہ عورتیں بھی اس سلسلے میں اسوہ رسول ہی پر عمل کریں گی، آیئے دیکھتے ہیں کہ اس بابت اسوہ رسول کیا ہے؟

امام بخاری نے باب باندھا ہے''باب الفرق''یعنی سر میں بیچوں بیچ مانگ نکالنا، پھر امام بخاری نے اس باب کے تحت یہ حدیث پیش کی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُونَ أَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ يَفْرُقُونَ رُءُوسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ فَرَقَ بَعْدُ،

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اگر کسی مسئلہ میں کوئی حکم معلوم نہ ہوتا تو آپ اس میں اہل کتاب کے عمل کو اپناتے تھے، اہل کتاب اپنے سر کے بال لٹکائے رہتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے بھی پہلے سر کے بال پیشانی کی طرف لٹکاتے تھے، لیکن بعد میں آپ ﷺ بیچ میں سے مانگ نکالنے لگے،[بخاری:- کتاب اللباس:باب الفرق،رقم۵۹۱۷]۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین سر کے بیچ سے مانگ نکالتے تھے، رسول اکرم ﷺ نے شروع میں اسے ناپسند کیا تھا اور اہل کتاب کی طرح ''سدل'' پر عمل کیا تھا، مگر بعد کو حکم الٰہی کی وجہ سے آپ نے اہل کتاب کی مخالفت کی اور سر کے بیچ سے مانگ نکالنے لگے، اس حدیث سے رسول اکرم ﷺ کا اسوہ یہ سامنے آیا کہ آپ ﷺ بیچ سے مانگ نکالتے تھے۔ اب یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس سلسلے میں عورتوں کے استثناء کی کوئی دلیل ہے یا نہیں؟ تلاش بسیار کے باوجود ہمیں ایسی کوئی دلیل نہیں ملی لہٰذا مذکورہ اسوۂ رسول بلاتفریق مرد وعورت سب کے لئے لائق عمل ہے۔

واضح رہے کہ ہمارے علم کی حد تک اس حدیث کو ذکر کرنے والے جملہ محدثین میں سے کسی ایک نے بھی اس میں مذکور حکم سے عورتوں کے استثناء کا تذکرہ نہیں کیا ہے، مثلاً دیکھئے:[فتح الباری:۱۰/۴۴۲-۴۴۳ ،ط،ہند۔عون المعبود:۱۱/۱۶۱۔ہدایۃ الرواۃ للألبانی:۴/۲۳۲-۲۳۳۔ حجاب المرأۃ المسلمۃ:ص۹۸]۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے سر کے بیچ سے مانگ نکالنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ یہی مستحب ہے اور اس کے برخلاف ان کے لئے خصوصی طور پر سر کے ایک جانب سے مانگ نکالنے کا حکم کسی دلیل سے ثابت نہیں، بلکہ بعض احادیث سے اس کی ممانعت یا کم ازکم اس کی کراہت ثابت ہوتی ہے، ملاحظہ ہو اس سلسلے میں بعض احادیث وآثار اور اہل علم کے اقوال:

احادیث

عَنِ ابْنِ عُمَر ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"،

ابن عمر ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔[أبو داؤد: - کتاب اللباس: باب فی لبس الشهرة، رقم ۴۰۳۱ واسناده حسن]۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سر کے ایک جانب سے مانگ نکالنے کا رواج قرون مشہود لہا بالخیر کی خواتین میں نہ تھا بلکہ یہ تو آج کی کافرہ اور یہود یہ عورتوں کا شعار ہے، لہٰذا یہ بھی "تشبہ بالغیر" کے حکم میں آسکتا ہے، علامہ عثیمین رحمہ اللہ عورت کے سر میں مانگ نکالنے سے متعلق فرماتے ہیں:

"فالفرقة المشروعة أن تكون في وسط الرأس... وأم الفرقة من جانب واحد ففيها حيف وربما يكون فيها تشبه بغير المسلمين".

یعنی عورت کے لئے سر کے بیچ میں مانگ نکالنا مشروع ہے اور سر کے ایک جانب سے بال پھاڑنا مشروع نہیں ہے اور ممکن ہے کہ اس میں غیر مسلموں سے مشابہت ہو"[مجموع فتاوی ورسائل الشیخ ابن عثیمین: ۱۳۶/۴، نیز ملاحظہ ہو: فتاوی برائے خواتین: ص ۲۶۲]۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مَائِلَاتٌ مُمِيلَاتٌ، رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا،

ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "جہنمیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا، (یعنی ان کا ظہور قیامت کے قریب ہوگا) وہ جن کے پاس گائے کی دموں کے مانند کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے اور دوسرے وہ عورتیں جو لباس پہنی ہوں گی اور ننگی مگر ننگی ہوں گی، مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی ہوں گی ان کے سر بختی اونٹ کی جھکی ہوئی کوہانوں کی طرح ہوں گے، ایسی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو پائیں گی"[مسلم: - کتاب اللباس والزینة: باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، رقم ۲۱۲۸]۔

حدیث کے الفاظ "مائلات مميلات" پر غور کیجئے اہل لغت نے اس کے کئی معانی بتلائے ہیں جن میں سے ایک کا تعلق بال سے ہے عربی لغت کی سب سے مشہور کتاب "لسان العرب" میں ہے:

قيل: "مائلات" يمتشطن المشطة الميلاء وهي مشطة البغايا وقد جاء كراهتها في الحديث "والمميلات" اللواتي يمشطن غيرهن تلك المشطة،

بعض نے کہا ہے کہ "مائلات" کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں بالوں کو مائل ہونے والے انداز میں کنگھی کریں گی، جیسا کہ بدکار عورتیں کنگھی کرتی ہیں اور حدیث میں اس کی کراہت منقول ہے، اور "ممیلات" سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دوسری عورتوں کے بالوں میں اس طرح کنگھی کرتی ہیں"[لسان العرب: ۴۱۵/۸ باب المیم]۔

زیر استدلال حدیث کا مذکورہ مفہوم صرف علمائے لغت ہی نے نہیں بلکہ محدثین نے بھی بیان کیا ہے امام نووی شرح مسلم میں مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قيل: "مائلات" يمتشطن المشطة الميلاء وهي مشطة البغايا معروفة لهن "مميلات" يمشطن غيرهن تلك المشطة،

بعض نے کہا ہے کہ "مائلات" کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں بالوں کو مائل ہونے والے انداز میں کنگھی کریں گی، جیسا کہ بدکار عورتیں کنگھی کرتی ہیں جو کہ ان کے یہاں معروف ہے اور "ممیلات" کا مطلب ہے ایسی عورتیں ہیں جو دوسری عورتوں کے بالوں میں اس طرح کنگھی کرتی ہیں"[شرح مسلم: ۱۸۸/۱۷]۔

آثارِ سلف

علامہ ابن منظور اپنی کتاب ''لسان العرب'' میں نقل کرتے ہیں:

وفی حدیث ابن عباس قالت لہ امرأۃ: انی امتشط المیلاء فقال عکرمۃ: رأسک تبع لقلب فان استقام قلبک استقام رأسک وان مال قلبک مال رأسک،

ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ ان سے ایک عورت نے کہا میں بالوں کو مائل ہونے والے انداز میں کنگھی کرتی ہوں تو عکرمہ نے کہا تمہارا سر تمہارے دل کا تابع ہے اگر تمہارا دل سیدھا ہے تو تمہارا سر بھی سیدھا رہے گا (یعنی مانگ بیچ میں بالکل سیدھی رہے گی) اور اگر تمہارا دل ایک جانب جھکا ہوا ہے تو تمہارا سر بھی ایک جانب جھکا ہوا ہوگا (یعنی سر میں ایک جانب سے مانگ ہوگی) [لسان العرب: ج۸ص ۴۱۵ اس اثر کے اصل مرجع تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی]۔

معلوم ہوا کہ سلف صالحین مذکورہ طرز پر بالوں کی آرائش کو معیوب سمجھتے تھے حتی کہ اسے فساد قلب سے تعبیر کرتے تھے۔

اقوال اہل علم

میرے علم کی حد تک ائمہ ومحدثین اور علمائے عظام میں سے کسی نے بھی عورت کو مذکورہ طرز پر بالوں کی آرائش کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ اس کے برعکس کئی ایک نے اسے معیوب گردانا ہے، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے گذشتہ حدیث مسلم کے الفاظ ''مائلات ممیلات'' کی شرح میں کئی اقوال نقل کئے ہیں جن میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مذکورہ طرز پر بالوں کی آرائش مراد ہے (کما مضیٰ)، نیز علامہ منظور مذکورہ الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قیل: ''مائلات'' یمتشطن المشطۃ المیلاء وھی مشطۃ البغایاوقد جاء کراھتھافی الحدیث،

بعض نے کہا ہے کہ ''مائلات'' کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں بالوں کو مائل ہونے والے انداز میں کنگھی کریں گی، جیسا کہ بدکار عورتیں کنگھی کرتی ہیں اور حدیث میں اس کی کراہت منقول ہے، [لسان العرب: ۸/۴۱۵ باب المیم]۔

اور صاحب مرعاۃ علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری اپنے ایک مکتوب میں عورتوں کے بال سے متعلق لکھتے ہیں:

''چوٹی دولگائے یا تین یا زیادہ یا کم، ہاں ٹیڑی مانگ کی کراہت منصوص ہے'' [مکاتیب رحمانی: ص۵۲]۔

اور عصر حاضر کے نامور محقق علامہ عثیمین رحمہ اللہ نے اپنے ایک فتوی میں عورتوں کے لئے سر کے ایک جانب سے مانگ نکالنے کو ممنوع قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو آپ کا فتوی مع سوال وجواب:

سوال:-

عورت کا سر کے ایک جانب سے بال پھاڑنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:-

بال پھاڑنے میں سنت یہ ہے کہ وہ بیچ سر سے ہو، پیشانی یعنی سر کے اگلے حصے سے سر کے بالائی حصہ تک بال کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے، اس لئے کہ بال کا میلان آگے پیچھے، دائیں اور بائیں ہر چہار جانب ہوتا ہے پس مشروع بال پھاڑنا سر کے وسط سے ہوگا، سر کے ایک جانب سے بال پھاڑنا مشروع نہیں ہے، اور ممکن ہے کہ اس میں غیر مسلموں سے مشابہت ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نبی ﷺ کے اس قول میں داخل ہو:

''صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِلَمْ أَرَهُمَاقَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِيَضْرِبُونَ بِهَاالنَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مَائِلاَتٌ مُمِيلاَتٌ، رُءُ وُسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لاَ يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلاَيَجِدْنَ رِيحَهَاوَإِنَّ رِيحَهَالَيُوجَدُمِنْ مَسِيرَةِ كَذَاوَكَذَا''،

اس حدیث میں محل استشہاد ''مائلات ممیلات'' ہے، جس کی تفسیر بعض علماء نے ان عورتوں سے کی ہے جو بالوں کو مائل ہونے والے انداز میں کنگھی کرتی ہیں اور دوسری عورتوں کو بھی اس طرح کنگھی کرواتی ہیں، [مجموع فتاوی ورسائل الشیخ ابن عثیمین: ۴/۱۳۶، نیز ملاحظہ ہو: فتاوی برائے خواتین: ص۲۶۲]۔

مسجد میں دوسری جماعت کا حکم(۲)

اعداد وترتیب: محمد طاہر حکیم (استاذ جامعہ اسلامیہ عالمیہ، اسلام آباد)
ترجمہ وتلخیص: محمد جاوید عبدالعزیز رحمانی مدنی۔

اشعث حسنؒ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بصرہ کی مسجد الکلاء میں ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت بنانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔اور عطاءؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے سالم بن عطیہ کے ساتھ مسجد حرام میں جماعت سے نماز ادا کی جب کہ وہاں کے لوگ نماز پڑھ چکے تھے۔(ابن ابی شیبہ ۲/۲۲۱)

عبدالرزاق (۲/۲۹۳) نے قتادہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں جب دو آدمی جماعت ہوجانے کے بعد آئیں تو وہ باجماعت نماز ادا کریں گے اور ان میں کا ایک امامت کرائے گا۔

عبداللہ بن یزید سے روایت کیا گیا وہ کہتے ہیں ابراہیم نے ہماری امامت ایسی مسجد میں کرائی جس میں نماز ادا کی جا چکی تھی تو انہوں نے مجھے اپنے دائیں کھڑا کیا، اور بغیر اذان اور اقامت کے (نماز پڑھائی)''۔ (مصنف عبدالرزاق ۲/۲۹۲) یہی عدی بن ثابت، اسحاق، اشھب اور ابن حزم سے روایت کیا گیا ہے (سنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۷۰) اور امام احمد (مغنی ۳/۱۱) سے بھی اسی کے مثل بیان کیا گیا ہے۔

ان کے نزدیک حرام ہے کہ کوئی متعین امام سے پہلے اس کی اجازت کے بغیر جماعت قائم کرے۔(اور لوگوں کے نزدیک یہ مکروہ ہے) کیونکہ وہ گھر کے مالک کے درجہ میں ہے، اور وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کوئی آدمی کسی کے گھر میں یا اس کی سلطنت میں اس کی اجازات کے بغیر امامت نہ کرائے''۔ اسے ابوداؤد (۱/۳۹۱) نے روایت کیا ہے۔

مسلم (۵/۱۷۳) کی روایت میں ہے''کوئی آدمی کسی دوسرے کی اس کی سلطنت میں امامت نہ کرائے اور اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں عزت ومقام والی جگہ پر بھی نہ بیٹھے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ گھر کا مالک، بیٹھنے کی جگہ کا مالک اور مسجد کا امام دوسروں سے زیادہ حقدار ہے۔(مسلم مع النووی ۵/۱۷۳) ورنہ اس کا یہ عمل اس کو متنفر کردے گا۔ اور اس کے آگے بڑھنے کی وجہ سے مالک اور امام کی خصوصیت کو بے فائدہ کردے گا۔

اسی طرح جب متعین امام نماز پڑھا رہا ہو تو دوسری جماعت قائم کرنا حرام ہے۔اور دونوں حالتوں میں نماز درست نہیں (یعنی متعین امام سے پہلے اور متعین امام کی نماز کے درمیان) اور اس بنیاد پر (یہ کہا جائے گا کہ) متعین امام کی اجازت سے نماز حرام نہیں اس لئے کہ وہ اجازت کے ساتھ ہے اور جسے اجازت دی گئی ہے وہ نائب ہوگا۔

اسی طرح اس وقت بھی جماعت بنانا منع نہ ہوگا، جب کہ متعین امام کسی عذر کی وجہ سے پیچھے رہ جائے اور وقت تنگ ہوجائے یا متعین امام کے نہ آنے کا یقین ہوجائے۔ لہذا متعین امام کی غیر حاضری میں دوسرے کا نماز پڑھانا مکروہ نہیں اس لئے کہ جب نبی ﷺ بنو عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لئے گئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی امامت کرائی۔(بخاری ۲/۱۶۷، مسلم ۴/۱۴۵، ابوداؤد ۱/۵۷۸)

اسی طرح عبدالرحمٰن بن عوف نے امامت کرائی جب اللہ کے نبی ﷺ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے ساتھ آخری رکعت پائی پھر اپنی نماز کو پورا کیا۔(مسلم مع النووی ۴/۱۴۷، احمد ۴/۲۴۹، ۲۵۱)۔

اسی طرح امام کے لئے نماز کا دوبارہ دہرانا مکروہ ہے، گرچہ وہ اس طرح سے وہ نماز لوٹائے کہ دوسری نماز کو وہ فوت شدہ نمازوں کی قضاء

مانے اور جو پہلے پڑھی اسے وقت کی فرض تسلیم کرے۔ اور ائمہ کرام اس بات پر متفق ہے کہ یہ بدعت مکروہہ ہے۔ (کشاف القناع ۱/۵۳۹)

تکرار جماعت کے قائلین کے دلائل حسب ذیل ہیں

(جب کہ مکروہ اور حرمت والی حالت کے علاوہ ہو)

۱۔ نبی ﷺ کے قول کا عموم: ''جماعت سے پڑھی گئی نماز تنہا پڑھی جانے والی نماز سے پچیس درجہ بہتر ہے''۔ اور ایک روایت میں ہے ''ستائیس درجہ بڑھ کر ہے''۔ (اس کی تخریج گذر چکی ہے) یہ حدیث نماز باجماعت کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس کا عموم دلالت کرتا ہے کہ جماعت اگرچہ بار بار بنائی جائے مذکورہ فضیلت حاصل ہوتی رہے گی۔ اس لئے کہ مفرد (جو کہ لفظ صلاۃ ہے) جب اس کی نسبت جمع میں لائی جائے تو وہ الجماعۃ ہوجائے گا اور وہ عموم اور استغراق پر دلالت کرتا ہے تو اس میں ہر جماعت داخل ہوگی۔ چاہے وہ پہلی ہو یا بعد کی۔

۲۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک شخص آیا اور اللہ کے رسول ﷺ نماز پڑھ چکے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم میں کا کون اس کے ثواب کو بڑھائے گا؟ تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ (ترمذی ۲/۶، ابوداؤد ۱/۳۸۶)

۳۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک شخص کو تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: کیا کوئی شخص اس پر صدقہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے ساتھ نماز ادا کرے؟ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یہ دونوں جماعت ہے۔ (احمد ۵/۲۵۴، مجمع الزوائد ۲/۴۵)

۴۔ انس رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ایک مسجد میں آئے جس میں نماز پڑھی جا چکی تھی تو انہوں نے اذان کہلوائی، اور اقامت کہلوا کر جماعت سے نماز ادا کی۔ (بخاری ۲/۱۳۱) ☆

☆ اس سلسلے کی ایک اور دلیل ہے جو بالکل واضح اور صریح ہے ملاحظہ ہو:

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۶۵) نے کہا: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحمد بْنِ سهل الخالدی، حَدَّثَنا مُحمد بْنُ عَبْدَةَ بْنِ الْحَكَمِ، أَخْبَرنا أَبِی، وأَبُو مُعَاذٍ قالا، أَخْبَرنا أبو حمزة، حَدَّثَنا مُحمد بْنُ عبد اللّٰهِ عن عباد بن منصور قال رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ دَخَلَ مَسْجِدًا بَعْدَ الْعَصْرِ وَقَدْ صَلَّى الْقَوْمُ وَمَعَهُ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَأَمَّهُمْ فَلَمَّا انْفَتَلَ قِيلَ لَهُ أَلَيْسَ يُكْرَهُ هَذَا ''فَقَالَ دَخَلَ رَجُلٌ الْمَسْجِدَ وَقَدْ صَلَّى رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَی الْفَجْرَ فَقَامَ قَائِمًا يَنْظُرُ فَقَالَ مَالَكَ قَالَ أُرِيدُ أَنْ أُصَلِّی فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسلَّمَ أَلا رَجُلٌ يُصَلِّی مَعَ هَذَا فَدَخَلَ رَجُلٌ فَأَمَرَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسلَّمَ أن يصلوا جميعًا''[الكامل لابن عدی: ج ٥ ص ٥٦٤ رقم ١١٦٧ واسناده صحيح و عباد بن منصور قال البخاری:صدوق وقال يحيى بن سعيد القطان:ثقة وقال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری (١٣/٢٦١) وفی السند عباد بن منصور وحديثه من قبيل الحسن، انتهى۔ وتابعه عثمان بن الهيثم أخرجه أبو نعيم فی طبقات المحدثين (١/٤٠٣) من طريق آخر عن عثمان بن الهيثم به مختصرا واسناده قوی ، وقطعة المرفوع أخرجها أيضا الدارقطنی (٢/١٧) من طريقه عن أنس به مختصرا واسناده صحيح]۔

ترجمہ: عباد بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ ایک مسجد میں عصر کے بعد داخل ہوئے اور تمام لوگ نماز پڑھ چکے تھے، انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے ساتھیوں میں سے بھی کئی لوگ تھے پھر انس رضی اللہ عنہ نے ان سب کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی۔ جب انس رضی اللہ عنہ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ ناپسندیدہ نہیں ہے؟ تو انس رضی اللہ عنہ نے جواب میں (بطور دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتے ہوئے) کہا کہ: **''ایک صحابی مسجد میں اس وقت آئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھ چکے تھے، یہ صحابی کھڑے ہوکر ادھر ادھر دیکھنے لگے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا بات ہے؟ تو صحابی نے جواب دیا: ''میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں'' تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: کیا کوئی ان کے ساتھ نماز پڑھنے والا نہیں ہے؟ اتنے میں ایک اور صحابی بھی مسجد میں داخل ہوئے، پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا''۔**

تشریح: یہ حدیث بہت ہی واضح دلیل ہے کہ مسجد میں بعد میں آنے والے حضرات دوسری جماعت بنا کر نماز پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ انس رضی اللہ عنہ نے دوسری جماعت بنا کر نماز پڑھائی اور سوال کرنے پر اللہ کے نبی ﷺ کی واضح حدیث بطور دلیل پیش کی جس میں اللہ کے نبی ﷺ نے مسجد میں پہلی جماعت کے بعد آنے والے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو مسجد ہی میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اس روایت کی سند ہمارے نزدیک بالکل صحیح ہے تفصیل کے لئے دیکھیں اہل السنہ، مارچ ۲۰۱۳ (ثابت روایت)۔ **ابو الفوزان السنابلی**۔

تکرار جماعت سے روکنے والوں کا ان دلیلوں پر رد:

۱-بلا شک وشبہ ''جماعت سے پڑھی گئی نماز تنہا پڑھی جانے والی نماز سے پچیس درجہ بہتر ہے''۔والی حدیث میں یہ احتمال ہے کہ وہ پہلی جماعت کے تعلق سے ہی ہے کیونکہ شریعت نے اسی کی طرف لوگوں کو ابھارا ہے۔

۲-ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں نفل ادا کرنے والا اقتداء کر رہا ہے فرض پڑھنے والے کی جس میں کوئی نزاع نہیں ،نزاع تو اس بات میں ہے کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرے۔(اعلاء السنن ۲۴۸/۴)

امام زرقانی کہتے ہیں کہ یہ ایک احتمال والی صورت کا واقعہ ہے عدم کراہت میں یہ حجت نہیں ہوگی۔(شرح الزرقانی ۱۴۹/۱)

۳-حدیثِ ابوامامہ کے تمام طرق ضعیف ہیں۔جیسا کہ ہیثمی نے کہا۔(مجمع الزوائد ۱۴۵/۲)

۴-اور حدیث انس رضی اللہ عنہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ وہ مسجد ہو جو راستوں پر بنی ہوتی ہے،جس میں تکرار جماعت ممنوع نہیں۔یہ احتمال اس بات سے اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے کہ حضرت ''انس رضی اللہ عنہ'' نے اذان بھی دی اور اقامت بھی کہی،جبکہ جو محلّہ کی مسجد میں تکرار جماعت کو جائز کہتے ہیں وہ انہیں دوسری نماز کے لئے اذان اور اقامت کو جائز نہیں کہتے۔(اعلاء السنن ۲۴۸/۴)

قائلین نے ان ردود کا جواب اس طرح دیا ہے:

۱-جماعت کی فضیلت والی حدیث کو پہلی جماعت پر محمول کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔اور ان جوابات سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر دیکھیں تو ظاہری طور پر یہ فضیلت ہر جماعت کے ساتھ ہے۔اس لئے کہ یہ حدیث تنہا آدمی پر جماعت کی فضیلت کو ثابت کر رہی ہے لہذا اس میں ہر جماعت داخل ہوگی۔اسے ابن ابی شیبہ (۴۱۲/۲) کی وہ روایت تقویت پہنچاتی ہے جو انہوں نے ابراہیم نخعی سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا''جب آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو وہ جماعت ہے اور ان دونوں کو پچیس گنا زیادہ ثواب دیا جاتا ہے۔(اکیلے پڑھنے والے کے مقابلہ میں)۔(فتح الباری ۱۳۶/۲)

۲-ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جماعت کے لوٹانے پر دلیل ہے (اور یہی مطلوب ہے) اور فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرے یا نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتداء کرے تو وہ دوسری بحث ہے،جس کا اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔اور امام زرقانی کا یہ دعوی کہ یہ ایک حالت کا واقعہ ہے اور ایک خاص فیصلہ ہے تو مجھے کوئی ایسی دلیل نہیں معلوم جو اس پر دلالت کرتی ہو،اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک عام دلیل ہے۔واللہ اعلم

۳-ابوامامہ کی حدیث تو اس کا ضعیف ہونا (اس قول کو) کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا،کیونکہ اس باب میں اور بھی حدیثیں ہیں مثلاً ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث (جو ابھی ہی گزری ہے) اور امام ترمذی نے اس (ابوامامہ رضی اللہ عنہ) حدیث کو حسن کہا ہے۔اور حاکم،ابن حبان اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے اور ہیثمی نے کہا کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔(نصب الرایۃ ۵۷/۲) اور اس بیان میں ابو موسی،حکم بن عمیر (ترمذی ۷/۲) سے،اور انس،سلمان اور عصمہ بن مالک الخطمی رضی اللہ عنہم سے حدیثیں مروی ہیں۔(نصب الرایۃ ۵۷/۲)

۴-انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو آپ کے بیان کئے گئے احتمال سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

تکرار جماعت کے قائلین نے مانعین (روکنے والوں) کی دلیل کا یہ جواب دیا ہے:

۱-ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس مسئلہ میں دلیل نہیں بن سکتی بلکہ اس میں جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں پر سختی کو بیان کیا گیا ہے یا یہ کہ وہاں ایسے لوگوں کو دھمکایا گیا ہے جو نماز سرے سے ادا ہی نہیں کرتے تھے نہ کہ جماعت کے ترک کرنے پر۔ یا یہ کہ حدیث میں منافقوں کی مخالفت اور ان کی مشابہت سے بچنے کی طرف ابھارا گیا ہے ،اور یہ کہ اس حدیث میں خطاب منافقوں سے ہے نہ کہ خاص طور سے جماعت کے چھوڑنے پر یہ دھمکی وارد ہوئی ہے اسے حافظ ابن حجر نے ذکر کیا اور کہا یہ بات مجھ پر ظاہر ہو رہی ہے کہ یہ حدیث منافقوں کے حق میں ہی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا''منافقوں پر عشاء اور فجر سے بھاری کوئی نماز نہیں''۔(بخاری ۱۴۱/۲) اور نبی ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''اگر

ان میں سے کسی کو معلوم ہو جائے کہ اسے موٹی ہڈی ملنے والی ہے .....''اور یہ صفت منافقوں ہی کے مناسب ہے نہ کہ مومنوں کے۔(فتح الباری ۲/۱۲۶-۱۲۷) اور امام شاطبی (الموافقات ۴/۱۵۶) میں کہتے ہیں ''یہ حدیث نفاق والوں کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے''ہم نے دیکھا کہ اس سے وہی پیچھے رہتا تھا جو منافق تھا اور اس کا نفاق معلوم تھا۔(مسلم ۵/۱۵۶)

۲-ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مانعین کے لئے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کا عموم اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ جماعت کا اعادہ مستحب ہے۔اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ نبی ﷺ نے اعادہ مسجد میں کیا تھا یا گھر میں، جماعت کا دوبارہ بنانے کا ہمیں ثبوت ملتا ہے۔اور یہاں یہی بات شاہد ہے۔جب کہ تحفۃ الاحوذی (۲/۱۰) اور اعلاء السنن میں ہے''کہ اس کی سند میں معاویہ بن یحیٰی ہے اور وہ متکلم فیہ ہے۔اور ذھبی (میزان الاعتدال ۴/۱۴۰-۱۳۹) نے ذکر کیا کہ اس کی حدیثیں منکر ہے اور ان ہی میں سے ابوبکرہ کی حدیث کو بھی ذکر کیا ہے اور اسی طرح ابن عدی نے بھی ذکر کیا ہے۔(الکامل فی ضعفاء الرجال ۶/۴۰۱، ۴۰۳)☆

پھر بھی اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رسول ﷺ نے اپنے گھر والوں کو اپنے گھر میں نماز پڑھائی، اس سے مسجد میں تکرار جماعت کی کراہت لازم نہیں آتی بلکہ اس سے جو مقصد حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر ایک آدمی ایسی مسجد میں آئے جہاں نماز پڑھی جا چکی ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس سے نماز پڑھے بغیر نکل جائے اور اپنے گھر والوں کو جمع کر کے جماعت سے نماز ادا کرے۔لیکن اس سے یہ دلیل لینا درست نہیں کہ اس کے لئے اس میں مکروہ ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھے لہذا حدیث اس پر قطعی طور سے دلالت نہیں کرتی۔جس طرح حدیث اس بات کی کراہت پر بھی دلالت نہیں کرتی کہ وہ مسجد میں تنہا نماز پڑھے۔

پھر بھی اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تکرار جماعت مکروہ ہے اسلئے کہ نبی ﷺ نے مسجد میں نماز نہیں ادا کی تو یقینی طور پر اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس مسجد نماز پڑھی جا چکی ہو اس میں تنہا نماز بھی مکروہ ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے مسجد میں نہ تو تنہا نماز ادا کی اور نہ ہی جماعت سے۔اور حاصل کلام یہ کہ ابوبکرہ کی مذکورہ حدیث سے مسجد میں دوبارہ جماعت بنانے کی کراہیت کا استدلال کرنا اور تنہا نماز ادا کرنے کے مستحب ہونے کی دلیل پکڑنا صحیح نہیں۔اسے علامہ مبارکپوری نے ذکر کیا ہے اور کہا''مجھے کوئی ایسی صحیح اور مرفوع حدیث نہیں ملی جو اس معنی پر دلالت کرتی ہو''۔(تحفۃ الاحوذی ۲/۱۱-۱۰)

۳-حسنؒ کا یہ اثر''اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جب مسجد میں جاتے جہاں نماز پڑھی جا چکی ہوتی تو تنہا نماز پڑھتے۔''اس کا جواب صاحب تحفہ (۲/۱۱) نے یہ دیا ہے کہ وہ تنہا نماز سلطان کے خوف سے پڑھتے تھے اور انہوں نے ابن ابی شیبہ (۲/۲۲۱) کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ہشیم نے بیان کیا اور وہ کہتے ہیں مجھے منصور نے خبر دیا کہ حسن بصری نے بیان کیا کہ وہ سلطان کے خوف کی وجہ سے اکٹھا ہونے سے ڈرتے تھے''۔

راجح

ان تمام دلائل اور ردود سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرا فریق جو کہ تکرار جماعت کا قائل ہے وہ زیادہ صحیح ہے اور دلائل میں زیادہ واضح ہے۔

لیکن دوسری جماعت کے مانعین (جمہور) کہتے ہیں ہم تکرار جماعت سے منع کرتے ہیں کیونکہ جماعت کا تکرار اتحاد سے اختلاف کی طرف لے جاتا، جماعت کو تفرقہ میں تبدیل کرتا ہے اور ائمہ کو بکھیرتا اور دشمنی کو بڑھاتا ہے۔لہذا جماعت کو قائم رکھنے کا مقصد بڑا اور غرض ظاہر ہے کہ دل ایک، جماعت متحد اور انس ومحبت پیدا ہو۔اور دل حقد وحسد کے میل سے پاک ہو جائے اور جماعت ثانیہ ان تمام مقاصد کو ضائع کر دے گی۔

استحبابِ جماعت ثانیہ کو مطلق طور پر مان لینا بغض وکینہ رکھنے والوں

☆اس حدیث کے ضعیف ہونے کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ اس کی سند میں''ولید بن مسلم''ہیں اور تدلیس تسویہ کرتے تھے، اور ان سے اوپر سند کے تمام طبقات میں سماع کی صراحت نہیں ہے حتی کہ ان کے شیخ الشیخ کے طبقہ میں بھی سماع کی صراحت نہیں ہے۔اور اصول حدیث کی رو سے جس سند میں تدلیس تسویہ کرنے والا راوی ہے اس سند کے تمام طبقات میں سماع کی صراحت ضروری ہے۔

اور بدعتیوں کو ان کے مقاصد ظاہر کرنے اور انھیں بدعت پھیلانے کا موقعہ دیتا ہے اور اس طرح ایک مکروہ چیز حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے اہل علم کی جماعت نے تکرار جماعت سے لوگوں کو منع کیا تا کہ وحدت کی صف اور امت کا اتحاد باقی رہے اور گمراہ اور بدعتی اپنے مقصد اور بدعت کا اظہار کرنے سے باز رہیں۔

امام شافعی کہتے ہیں (الام ۱/۲۷۰) ''.....میں اسے ناپسند کرتا ہوں کیونکہ یہ ان عملوں میں سے نہیں جو ہمارے اسلاف نے کیا بلکہ بعض نے تو اس پر عیب لگایا ہے کہتے ہیں: جس کسی نے اسے ناپسند کیا اس وجہ سے کہ یہ وحدانیت کو تفرقہ میں تبدیل کرتا ہے اور کئی لوگ جماعت کے امام سے پیچھے رہتے ہیں اور جب نماز ختم ہو جاتی ہے تو وہ داخل ہوتے ہیں اور جماعت بناتے ہیں لہذا اس سے امت میں اختلاف ہوگا اور اتحاد ٹوٹے گا جو کہ شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔ ہر مسجد میں امام اور موذن کے متعین ہے لہذا میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔ رہی وہ مسجد جسے راہ پر ہی بنایا گیا ہو یا کسی (بستی کے) کنارے پر ہو جہاں کوئی متعین موذن نہ ہو اور نہ ہی کوئی مشہور امام ہو جس میں گزرنے والے نماز پڑھتے اور آرام کرتے ہوں تو اس میں دوسری جماعت کو میں ناپسند نہیں کرتا کیونکہ اس میں وہ معنی نہیں آتا جو میں نے اختلاف کے لئے بیان کیا ہے...''۔

اور امام ابن عبدالبر امام مالک اور ان کے علاوہ جن لوگوں نے تکرار جماعت سے روکا ہے ان کا قول ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں ''یہ مسئلہ ایسا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں مگر بدعتیوں اور گمراہوں کی جماعت کے انکار کیلئے تا کہ انھیں یونہی نہ چھوڑ دیا جائے اور وہ اپنے مقصد کو ظاہر کرتے رہیں اور اس لئے بھی کہ اہل السنہ والجماعہ کا طریقہ غالب رہے کیونکہ بدعتیوں کا طریقہ ہے کہ وہ امام کی جماعت کا انتظار کرتے ہیں پھر اس کے بعد آتے ہیں، اور اپنے امام کو لے کر جماعت بناتے ہیں، اس لئے اہل علم نے سوچا کہ وہ اس سے لوگوں کو روک دیں اور تمام لوگوں کے لئے ایک ہی دروازہ بنا دیں اس لئے ان لوگوں نے اس سے کلی طور پر لوگوں کو منع کر دیا اور حقیقت وہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔ (الاستذکار ۴/۶۴، ۶۵)

امام ابن العربی اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کہتے ہیں (اور مومنوں کے درمیان اختلاف کرنے کے لئے) (سورہ توبہ ۹: ۱۰۷) یعنی مسجد میں ایک جماعت کی طرح تھے، تو ان لوگوں نے چاہا کہ وہ ان کی اطاعت والے کام میں اتحاد ختم کر دیں اور معصیت اور کفر کے ذریعہ سے ان کو الگ کر دیں۔ اس تفسیر سے لوگوں پر جماعت کا مقصد واضح ہوگا کہ مقصد عظیم اور اہم ہے کہ لوگوں کا دل ملا رہے....اور یہی معنی امام مالکؒ نے بھی ذکر کیا ہے کہ دو جماعتیں ایک مسجد میں نہیں ہو سکتی نہ دو امام کے ذریعہ اور نہ ہی ایک امام کے ذریعہ...کیونکہ یہ اتحاد کو توڑنے اور جماعت کی حکمت ختم کرنے کا سبب بن سکتا ہے ...''۔ (احکام القرآن ۲/۵۸۲، تفسیر قرطبی ۸: ۲۵۷)

اور ایک دوسری وجہ بھی ہے کہ اگر اس معاملہ میں توسیع کر دی جائے تو لوگ نماز کے اوقات کی حفاظت سے لاپرواہ ہو جائیں گے، اور جو چاہے گا بعد میں جماعت بنا کر نماز ادا کرے گا اور لوگ اس امام سے کوتاہی برتیں گے جو انھیں نماز کے اوقات کی حفاظت اور جماعت کو پانے کے لئے جلدی کرنے کے لئے بلاتا ہو۔ (المنتقیٰ ۱/۱۳۷)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تکرار جماعت منع ہے چاہے وہ جس بھی طرح ہو کیونکہ وہ وحدانیت کو توڑنے اور جماعت میں اختلاف پیدا کرنے کا سبب ہے خاص کر اگر ایک دوسرے کو دوسری جماعت کیلئے بلایا جاتا ہو۔ لیکن اگر کچھ لوگ ایسے ہوں جو جماعت سے کسی عذر کی بناء پر پیچھے رہ گئے (بغیر اختلاف اور انتشار کے ارادہ کے) تو ایسی حالت میں تکرار جماعت مکروہ نہیں۔ اور یہ ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے جو منع کے قائل ہیں۔ اس تعلق سے امام شافعی کہتے ہیں ''.اگر وہ لوگ ایسا کرتے ہیں تو ان کو وہ جماعت کافی ہوگی.....اور جو لوگ اسے مکروہ سمجھتے ہیں اس کی وجہ میں یہی جانتا ہوں کہ وہ جماعت میں اختلاف کی وجہ سے روکتے ہیں''۔ (الام ۱/۲۷۸)

ابو یوسف کہتے ہیں کہ یہ اس وقت مکروہ ہے جب کہ دوسری جماعت میں افراد بہت زیادہ ہو جاتے ہوں۔ (البدائع ۱/۴۱۹) لیکن اگر تین یا چار لوگ ہوں تو وہ مسجد کے کسی بھی کونے میں کھڑے ہو جائیں اور جماعت سے نماز ادا کریں اس میں کوئی کراہت نہیں۔ اور محمد بن حسن الشیبانی سے بیان کیا گیا ہے ''یہ اس وقت مکروہ ہے جب کہ ''تداعی'' یعنی ایک دوسرے کو دوسری جماعت کے لئے دعوت دینے اور اجتماع کے طور پر ہو لیکن اگر ایسا نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں''۔ (بدائع الصنائع ۱/۴۱۸)

اسی کے مثل اشھب المالکی (استذکار ۴/ ۶۳) سے روایت کیا گیا ہے لہذا اصبغ بیان کرتے ہیں ''میں اشھب کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا اور لوگ نماز ادا کر چکے تھے تو انہوں نے مجھ سے کہا ''اے اصبغ تم میری امامت کراؤ اور ایک کونے میں گئے پس میں نے ان کی امامت کرائی''۔اور مالکیہ کا قول گزرا کہ مسجد کے باہر جماعت سے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

امام نووی نے مذہب کا صحیح اور مشہور قول ''متعین امام کی جماعت ہوجانے کے بعد دوسری جماعت مکروہ ہے مگر امام کی اجازت کے'' ذکر کرنے کے بعد فرمایا ''اگر کوئی ایک جماعت ہونے کے بعد آتا ہے تو حاضرین جو کہ نماز ادا کر چکے ہوں ان کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس کے ساتھ جماعت بنائیں تا کہ اسے بھی جماعت کا ثواب حاصل ہو''۔ (المجموع ۴/ ۲۲۲) اور مغنی المحتاج (۱/ ۲۳۴) میں ہے ''اور جو نماز پڑھ چکا ہو اس کے لئے بہتر ہے کہ جب وہ کسی کو وہی فریضہ تنہا ادا کرتے ہوئے دیکھے تو اس کے ساتھ بھی نماز ادا کرے تا کہ اسے بھی جماعت کا ثواب حاصل ہو''۔

اور جن لوگوں نے تکرار جماعت کو جائز کہا تو ان سے یہ معنی بھی پوشیدہ نہیں (کہ اگر یہ اختلاف اور امام کو ذلیل کرنے کے مقصد سے ہو تو ان کے نزدیک بھی تکرار جماعت مکروہ ہے)۔اسی وجہ سے روض المربع شرح زاد المستقنع (۲/ ۲۷۱) میں حنبلی مذہب یعنی تکرار جماعت مستحب ہے کو ذکر کرنے کے بعد کہا کہ اور ان ہی سے ...مکروہ ہونے کا قول بھی ملتا ہے ...تا کہ وہ دلوں کے اختلاف اور موجودہ امام کو حقیر بنانے کا سبب نہ بنے''۔اور ابن مفلح حنبلی (المبدع شرح المقنع ۲/ ۴۷-۴۶) کہتے ہیں ''اور جماعت کا اعادہ کرنا مکروہ نہیں۔یعنی جب قبیلہ کا امام نماز پڑھ لے پھر ایک دوسری جماعت حاضر ہو تو ان کے لئے مستحب ہے کہ وہ جماعت سے نماز ادا کریں...''۔اور قاضی کہتے ہیں کہ وہ مکروہ ہے جب کہ لوگوں کو اختلاف کی طرف لے جائے۔''اور ابن حزم کہتے ہیں ''...اور ہم کہتے ہیں کہ جو جماعت سے پیچھے رہے بغیر کسی عذر کے یا اس وجہ سے کہ مقصد فریب دینا اور خواہشات کی پیروی یا پھر امام کے ساتھ دشمنی ہو تو ہم اس وقت اس سے روکتے ہیں.''۔(المحلیٰ ۴/ ۲۳۷)

ہم اس کا خلاصہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں فریق تکرار جماعت کی مشروعیت پر متفق ہیں جبکہ اختلاف و انتشار اور ائمہ کے درمیان جھگڑا پیدا کرنا اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا مقصود نہ ہو۔

اور جب نفس پرست اور بدعتی حضرات اسے مسلمانوں کی جماعت کے درمیان تفریق کرنے اور پھوٹ ڈالنے اور وحدت کو توڑنے کا ذریعہ بنالے تو تکرار جماعت کو عدم مشروعیت کی طرف لوٹایا جائے گا۔اور وہ ممنوع ہوگا ۔اور جو ممنوع چیز کی طرف لے جائے گا وہ ممنوع ہوگا۔اور مقاصد کی طرف دیکھنا اہل علم کے نزدیک معتبر ہے۔

امام شاطبی فرماتے ہیں:۔(الموافقات ۵/ ۱۷۸-۱۷۷)'' افعال میں مقاصد کی طرف دیکھنا معتبر ہے اور شریعت کا مقصود بھی ہے چاہے وہ افعال موافقت میں ہو یا مخالفت میں، اور اس لئے مکلّف بندوں سے جو افعال صادر ہوتے ہیں مجتہد ان کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے یا کسی بات سے ڈرتے ہوئے حکم نہیں لگاتا بلکہ وہ اس میں غور و فکر کرتا ہے کہ وہ عمل کس طرف لوگوں کو لے جا رہا ہے۔کبھی کوئی عمل کسی مصلحت کی وجہ سے مشروع ہوتا ہے جس وجہ سے اسے انجام کیا جاتا ہے یا فساد والا ہوتا ہے جس وجہ سے اس سے روکا جاتا ہے۔لیکن کبھی کبھار ہونے والے فساد کی وجہ سے مقصود کے خلاف اور کوئی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ غیر مشروع ہو جاتا ہے یا کوئی مصلحت اس سے ختم ہوتی ہے لیکن اس کا نتیجہ اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔لہذا پہلے قول کی بنیاد پر جب مطلق طور پر مشروعیت کی بات کی جائے تو کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ مصلحت، مفسد کی طرف بڑھتی اور اس کے برابر ہو جاتی ہے یا اس سے بھی آگے نکل جاتی ہے تو اس صورت میں مطلق طور سے مشروع کہنا مانع ہے۔اور دوسرے کی صورت میں مطلق طور پر غیر مشروع کہا جائے تو کبھی کبھار مفسد کو مفسد دور کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے برابر ہو جاتا ہے یا پھر اس سے آگے نکل جاتا ہے تو ایسی صورت میں بھی غیر مشروع کہنا درست نہیں۔اور یہ مجتہد کے لئے بہت ہی کٹھن میدان ہوتا ہے ورنہ وہ عذاب کو برداشت کرے یا شریعت کے مقاصد کے خلاف بیوقوفی کرے۔''

'پھر مصنف رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی صحت پر کئی طریقوں سے استدلال کیا: جن میں سے چند یہ ہیں: ''شریعت کے استقراء اور دلائل دیکھنے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ہر چیز کے مقصود اور حاصل کی طرف دیکھا جائے گا جیسے کہ نبی ﷺ منافقوں کے قتل سے رک گئے تھے ۔جب ان لوگوں کے قتل کا مطالبہ کیا گیا جن کا نفاق ظاہر تھا تو نبی ﷺ

نے فرمایا'' کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ وہ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے ''۔(بخاری : کتاب المناقب :باب ما ینھی من دعوی' الجاھلیۃ ۵۴۶/۶) ورنہ لوگ اسلام میں داخل ہونے سے بھاگیں گے۔ پھر امام شاطبی نے کہا''...عمل تو حقیقت میں مشروع ہے لیکن لوگوں کو اس سے روک دیا گیا اس کے فساد کی وجہ سے''۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ہمارے اس مسئلہ پر بھی منطبق ہوتا ہے کہ جماعت تو حقیقت میں حکمتوں اور مقاصد کی بنیاد پر مشروع ہے جیسے ثواب زیادہ ہوتا ہے اور برکت شامل ہوتی ہے اور محبت اور ہمدردی بڑھتی ہے اور لوگوں کے حالات ایک دوسرے پر ظاہر ہوں گے تو اس صورت میں مریض کی عیادت کی جائے گی اور موت کی لوگوں کو خبر ملے گی اور غریبوں کی مدد کی جائے گی اور اس سے ایک دوسرے کو تعاون اور مدد ملے گی اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا'' تم اختلاف نہ کرنا ورنہ تمہارے دل بھی مختلف ہوجائیں گے۔''(ابوداؤد ۴۲۳/۱، احمد ۱۲۲/۴، حاکم ۵۸۳/۱، ابوعوانہ ۴۲/۲-۴۱) ایسی صورت میں جماعت عظیم معانی اور بڑے مقاصد کی وجہ سے درست ہے کیونکہ اس سے بھلائی، وحدت اور اتحاد کا حصول ہوتا ہے، لیکن اگر تکرار جماعت کو انتشار واختلاف کا ذریعہ بنالیا جائے تو اس وقت وہ مشروع نہیں رہ جاتی۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ (اعلام الموقعین ۱۳۶/۳) فرماتے ہیں'' عمل یا قول کو فساد کی طرف لے جانے والے اسباب دو قسم کے ہیں....دوسرا یہ کہ (افعال یا اقوال) جائز یا مستحب تو ہوں لیکن اسے ارادتاً یا بغیر ارادہ کے حرام کا ذریعہ بنالیا جائے..جیسے کہ ایک آدمی ممنوع اوقات میں نماز پڑھتا ہے یا مشرکوں کے معبود کو ان کے سامنے گالی دیتا ہے..'' پھر انہوں نے کئی طریقوں سے اس کی دلیل پیش کی ۔پھر انہوں نے (اعلام الموقعین ۱۴۵/۳) کہا'' اڑتیسویں وجہ : شریعت نے امامۃ کبری، جمعہ ،عیدین، استسقاء اور خوف کی نماز میں ایک امام پر جمع ہونے کا حکم دیا ہے باوجود اس کے کہ اگر خوف کی نماز کو دو اماموں کے ذریعہ ادا کیا جائے تو زیادہ امن حاصل ہوتا ہے لیکن یہ تفریق وانتشار اور اختلاف کو ختم کرنے کا سبب اور اس کے ذریعہ دلوں کے اتحاد کو حاصل کیا جاتا ہے اور یہ شریعت کے بڑے مقاصد میں سے ہے اور شریعت نے اختلاف کی طرف لے جانے والی ہر راہ کو بند کیا ہے یہاں تک کہ نماز میں بھی صف کی درستگی کا حکم دیا ہے، تاکہ دلوں میں اختلاف نہ ہو۔

میں کہتا ہوں :اسی وجہ سے اکثر اہل علم نے ایک شہر میں تعدد جمعہ سے روکا ہے (جب کہ تعدد جماعت کی ضرورت نہ ہو) جبکہ مسجد کافی بڑی ہو اور جب ایک مسجد ہی کافی ہو تو دو مسجدوں میں جائز نہیں۔

ابن قدامہ (المغنی ۲۱۳/۳) کہتے ہیں''اس سلسلہ میں عطاء کے علاوہ میں نے کہیں بھی اختلاف نہیں پایا کیونکہ جب ان سے کہا گیا ''اہل بصرہ کو بڑی مسجد کافی نہیں ہوتی'' تو انہوں نے کہا'' ہر قوم کے لئے ایک مسجد ہے جس میں وہ جمعہ ادا کرے پھر وہ ان کے لئے کافی ہو جائے گی۔'' ابن جریر کہتے ہیں''لوگوں نے کہا کہ وہ بڑی مسجد میں ہی نماز ادا کریں گے''۔(مصنف عبدالرزاق ۱۷۰/۳) اور یہ تمام کا تمام مسلمانوں کے کلمہ کے اتحاد اور گمراہ اہل اہواء جو بڑی مسجد سے دور رہتے ہیں ان کو روکنے کے لئے تھا جو اپنے لئے دوسری مسجدیں بناتے ہیں اتحاد کو توڑنے اس میں دراڑ ڈالنے اور مسلمانوں کی صف میں اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ اس اجتماع عظیم کے روحانی مقصد کو ختم کردیں، لہذا جو عمل اس مصلحت کو فساد کی طرف لے جاتا ہے اس سے روک دیا گیا۔

امام شاطبی کہتے ہیں''اور عمل کا ترک کئی وجوہ سے ہوتا ہے..اور اسی میں سے ہے''اور مطلوب کو مصلحت سے بڑے فساد کا خوف کھاتے ہوئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے فرمایا''اگر تمہاری قوم جاہلیت سے اسلام میں نئی داخل نہ ہوئی ہوتی تو میں جدر کو بیت اللہ میں شامل کردیتا اور بیت اللہ کے دروازے کو زمین سے ملا دیتا''۔(بخاری ۴۳۹/۳، مسلم ۸۸/۹،نسائی ۲۱۵/۵) نبی ﷺ کعبہ کو قواعد ابراہیمی پر لوٹانے سے صرف اس خوف سے رکے رہے کہ عرب میں فساد پیدا ہوجائے گا اور لوگ کہنے لگیں گے: کہ محمد (ﷺ) مقدس جگہوں کو ڈھاتے ہیں اور ان کے نشانات تبدیل کرتے ہیں، اس لئے امام شاطبی فرماتے ہیں :اس لئے سلف اس چیز کو اپنانے سے ڈرتے تھے جو مفاسد کی طرف لے جاتی ہو، گرچہ اس کا اصل اس کا حاصل کرنا ہی ہو''۔(الموافقات ۵۲۹/۳) اور کہتے ہیں: سدالذرائع کے قاعدہ پر سلف نے اسی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے عمل کیا....جیسے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے حج میں

نماز مکمل ادا کیا۔ (بخاری ۲/ ۵۶۳، ۵۶۹/۳، ۵۰۹/۳، مسلم ۵/ ۲۰۳، ابوداؤد ۲/ ۴۹۲، ۴۹۳۔نسائی ۳/ ۱۲۰، دارمی ۲/ ۵۵، احمد ۱/ ۴۱۶، ۴۲۵، ۴۶۴) اور صحابہ نے ان کے اس عذر کو قبول بھی کیا جو انہوں نے سد الذریعہ کے لئے پیش کیا (الموافقات ۳/ ۵۲۹) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا: میں لوگوں کا امام ہوں اور مجھے دیہات اور گاؤں میں رہنے والے دیکھیں گے، تو کہیں وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اسی طرح نماز فرض کی گئی ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ۲/ ۵۱۸، ۵۱۹، شرح معانی الآثار ۱/ ۴۲۵)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (مجموع الفتاویٰ ۲۴/ ۱۹۵) کہتے ہیں: مسلم مستحب کو چھوڑ دیتا ہے اگر اس کے کرنے کی وجہ سے فساد مصلحت پر غالب ہو۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ کو قواعد ابراہیمی پر بنانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

کچھ اور باتیں کرنے کے بعد انہوں نے نماز میں بسملہ کی بحث کرتے ہوئے کہا: ان جیسے مسئلوں میں تعصب کرنا ان اختلاف کی علامات میں سے ہیں جن سے ہمیں روکا گیا ہے (یہاں تک انہوں نے کہا) آدمی کے لئے مستحب ہے کہ وہ ان جیسے افعال کو تالیف قلب کے لئے ترک کر دے۔ اس لئے کہ دین میں تالیف قلب کی مصلحت ان کے ادا کرنے کی مصلحت سے بڑی ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ۲۲/ ۴۰۵، ۴۰۷)

میں کہتا ہوں: اللہ کی قسم! یہی فقہ ہے کہ تکرار جماعت مستحب ہے لیکن اگر وہ فساد اور مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے اور ان کے درمیان گروپوں اور جماعتوں کو جنم دینے والی ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے گا اور اتحاد اور مسلمانوں کی صف کو متحد رکھنے کی خاطر اس سے روکا جائے گا۔ چونکہ دلوں کی تالیف شرعاً واجب ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے شریعت اور اس کے دلائل متحد ہوتے ہیں اور جو شریعت کے مقاصد پر غور و فکر کرے اور اس کی بنیادوں اور دلائل کو سمجھے اور جو بھی مصلحتیں اس میں شامل ہوں اس سے اس قول کا رجحان کم نہیں ہوگا اور وہ شریعت کے قواعد سے انہیں قریب کر دے گا۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی ﷺ

خاتمہ

یہ بحث نماز کی فرضیت اور باجماعت نماز کی فضیلت کو دیکھنے کے بعد اس نتیجہ پر گئی کہ ایا امام راتب کے بعد جماعت کے اعادہ کا حکم کیا ہے؟

اور نماز باجماعت سے متعلق چند مسائل پر فقہاء کا اتفاق ہم نے دیکھا کہ اگر مسجد کے جب معروف مصلیان نہ ہوں مثلاً مسجد راستہ پر ہو یا مسجد کا امام اور موذن متعین نہ ہو تو ایسی صورت میں تکرار جماعت مکروہ نہیں۔

اسی طرح تمام فقہاء کا یہ مذہب بھی واضح ہوا کہ جب مسجد محلّہ کی ہو اور کچھ لوگ پہلے ہی جماعت بنالیں، پھر متعین امام آئے تو اسے جماعت بنانے کا حق ہے۔

لیکن اگر مسجد کا امام متعین ہو اور کچھ لوگوں کی جماعت چھوٹ جائے تو کیا وہ متعین امام کی جماعت ہو جانے کے بعد کسی غیر راتب کی امامت میں جماعت بنا سکتے ہیں؟ تو ایسی صورت میں فقہاء کے ایک گروہ نے جماعت کے اعادہ سے روکا ہے اور کہا کہ وہ تنہا نماز ادا کریں گے۔ اور کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ جماعت کا اعادہ کرنا مستحب ہے سوائے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے کہ اس میں اعادہ مکروہ ہے تا کہ لوگ متعین امام کے ساتھ باجماعت آنے میں سستی نہ کریں اگر انھیں دوسری جماعت کے ممکن ہونے کی اجازت دے دی جائے اور وہ کوئی عذر نہ ہونے کی صورت میں ہے جیسے کہ سو جائے یا اور کوئی وجہ۔

میں نے دونوں فریق کی دلیلوں کو واضح کیا اور ان پر ہونے والے ردود کا ذکر پھر اس کا تفصیلی جواب دیا اور جو چیز آخر میں مجھ پر واضح ہوئی (شریعت کے دلائل، مقاصد اور مصلحتوں کو دیکھنے کے بعد) کہ جماعت کا اعادہ اگر ائمہ میں اختلاف اور جماعت میں پھوٹ ڈالنے کی غرض یا گمراہ اور بدعتی اس کے ذریعہ اپنی بدعت کو عام کرتے ہوں تو اس وقت اعادہ ممنوع ہوگا تا کہ جماعت کا اتحاد باقی رہے اور باطل اس کے ذریعہ سے اپنی بدعت کے اظہار سے باز آ جائے۔

لیکن اگر اعادہ کی وجہ یہ نہ ہو بلکہ کوئی قوم جماعت سے کسی وجہ سے پیچھے رہ جائے (ان کا ارادہ اختلاف اور انتشار پھیلانا نہ ہو اور نہ ہی اپنی بدعت کا اظہار مقصود ہو) تو ایسی صورت میں اعادہ مکروہ نہیں بلکہ شریعت کی مذکورہ دلائل کی روشنی میں مشروع ہے اور اسی پر تمام دلائل متفق و متحد ہیں۔ (مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ: عدد رقم ۱۲۰)

نرمی اورآسانی اسلامی شریعت کاامتیاز(۲)

فضیلۃ الشیخ نورالحسن مدنی حفظہ اللہ۔ استاذ کلیۃ الحدیث بنگلور۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ''الرفیق'' اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اللہ تعالیٰ کا یہ نام اپنے اندر رفق کی صفت رکھتا ہے، مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ خود اس صفت سے متصف ہے بلکہ وہ اس صفت کو پسند بھی کرتا ہے۔جن بندوں میں یہ صفت پائی جاتی ہے وہ بندے اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتے ہیں نرمی، مہربانی اور آسانی کا برتاؤ دین اسلام کے جملہ احکام و فرامین میں واضح ہے،جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱: احکام تکلیفیہ (انسان کومکلّف بنانے) میں رفق ونرمی کابرتاؤ:۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کی ہے کہ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے جلد بازی اور بے صبری کی صفت اس کے اندر پائی جاتی ہے، اقتدار و طاقت کے نشہ میں ظلم و جور کا ارتکاب بھی کرسکتا ہے نفسانی خواہشات سے مغلوب ہوکر حیوانیت اور بربریت پر بھی اتر سکتا ہے، ان بشری کمزوریوں کے باعث اللہ تعالیٰ نے انسان کو انہیں احکام کا مکلّف بنایا ہے جنہیں انجام دینے کی وہ طاقت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا﴾

اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا ہے(۱)

اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت رفق کا ایک مظہر ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

ای لا یکلف احدا فوق طاقته وهذا من لطفه تعالیٰ بخلقه و رافته بهم واحسانه الیهم .

یعنی کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوقات کے ساتھ نرمی، رحمت اور مہربانی کا ایک مظہر ہے۔(۲)

اللہ تعالیٰ کی صفت رفق ہی کے نتیجے میں نرمی آسانی اور لطافت دین اسلام کا امتیاز ہے جس کی جملہ عبادات اور احکام نرمی اور آسانی سے عبارت ہیں سختی اور شدت کو اس سے دور رکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾

یعنی دین میں تمہارے رب نے تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے(۳)

دین اسلام کے اس امتیاز کو اللہ کے رسول ﷺ نے بھی متعدد احادیث میں بیان کیا ہے حافظ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

ان الدین یسرو لن یشاد الذین احدا لا غلبه فسددوا وقاربوا وابشروا واستعینوا والغدوة والروحة وشی من الدلجة.

یعنی بے شک دین آسان ہے اور دین کے ساتھ سختی میں کوئی اس کا

(۱) ۲/البقرۃ:۔۲۸۶۔

(۲) تفسیر ابن کثیر:۔۱/۴۵۵۔

(۳) ۲۲/الحج:۔۷۸۔

مقابلہ نہیں کریگا مگر دین اس پر غالب آجائے گا لہٰذا تم درستگی کو اختیار کرو اور قریب پہنچنے کی کوشش کرو بشارت حاصل کرلو اور صبح وشام اور رات کی تاریکی کے بعض حصہ کو غنیمت سمجھو(۱)۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث میں آپ کا ارشادگرامی اسے مزید واضح کرتا ہے۔

انی لم ابعث با الیھودیة ولا با النصرانیة ولکنی بعثت بالحنفیة السمحة والذی نفس محمد بیدہ لغدوة اوروحة فی سبیسل اللہ خیر من الدنیا وما فیھا.

مجھے یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ مجھے آسان اور خالص شریعت دیکر بھیجا گیا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے یقیناً اللہ کے راستہ میں صبح وشام کے کسی حصہ میں نکلنا دنیا اور اس میں پائی جانے والی تمام چیزوں سے بہتر ہے(۲)۔

۲: بھول چوک ، حدیث نفس اور مجبوری پر معافی کا پروانہ:

اللہ تعالیٰ کی صفت رفق ونرمی کا ایک مظہر انسانی بھول چوک پر مؤاخذہ نہ کرنا ہے بندہ اگر بھول کر کوئی غلطی کرتا ہے یا مجبور کئے جانے پر کسی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندہ کا مؤاخذہ نہیں کرتا ہے۔ اس عظیم اسلامی مبدأ پر متعدد نصوص دلالت کرتے ہیں لیکن بطور مثال ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ .

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے بھول چوک اور کسی کی جانب سے مجبور کئے جانے پر کی جانیوالی غلطی کو معاف کر دیا ہے(۳)۔

اسی طرح دل میں آنے والے متعدد خیالات جو بسا اوقات گناہ اور معصیت سے تعلق رکھتے ہیں اور جن سے بچنا اور ان سے کلی اجتناب کرنا انسانی قوت سے باہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کی معافی کا اعلان فرمادیا ہے اور اس پر مؤاخذہ نہ کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

ان اللہ تجاوز لامتی عما توسوس بہ صدورھا ما لم تعمل بہ او تتکلم بہ وما استکرھوا علیہ .

یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے معاف کر دیا ہے ان تمام خیالات کو جو ان کے سینوں میں وسوسہ کی شکل میں آتے ہیں جب تک وہ عمل یا کلام کی شکل میں ظاہر نہ ہوں اور کسی کے مجبور کئے جانے پر سرزد ہونے والا عمل بھی معفو عنہ ہے(۴)۔

اس کی مزید وضاحت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی

﴿وَاِنْ تُبْدُوا مَا فِي اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

یعنی تم اپنے نفس میں پائے جانے والے خیالات کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ تمہارا محاسبہ کرے گا تو جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے(۵)۔

اس آیت کے نزول پر صحابہ کرام کافی پریشان ہوئے اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر یہ عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں ایسے اعمال کا مکلّف بنایا گیا ہے جس کی ہم طاقت

(۱) صحیح البخاری:۔ح:۳۹۔
(۲) مسند احمد:۔ح:۲۲۲۹۱، والصحیحۃ:۔ح:۲۹۲۴۔
(۳) سنن ابن ماجہ:۔ح:۲۰۴۳۔
(۴) سنن ابن ماجہ:۔ح:۲۰۴۴۔
(۵) ۲/البقرۃ:۔۲۸۴۔

رکھتے ہیں جیسے صلاۃ، صوم، قتال فی سبیل اللہ اور صدقہ وغیرہ لیکن آپ پر یہ آیت اشارہ ﴿وَاِنْ تُبدُوا مَا فِی اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخفُوهُ یُحَاسِبکُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ کی طرف سے نازل ہوئی ہے ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے، اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تم اہل کتاب کا رویہ اختیار کرو جنہوں نے کہا ''سمعنا و عصینا'' یعنی ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی، بلکہ تم کہو ''سمعنا و اطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر.'' یعنی ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے رب! تیری رحمت کے ہم خواستگار ہیں اور تیری طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ یہ سن کر صحابہ یک زبان ہو کر یہ کہنا شروع کر دیئے، جب ان کی زبانوں پر یہ جملے رواں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی:

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤمِنُونَ کُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلائِکَتِهِ وَکُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَینَ اَحَدٍ مِّنْ رُسُلِهِ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیکَ الْمَصِیرُ﴾

یعنی رسول اور مؤمنین ان تمام امور پر ایمان لائے جو ان کے رب کی جانب سے نازل کئے گئے ان میں سے ہر ایک ایمان لایا اللہ پر، اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے ہیں اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور اہم نے اطاعت کی اے ہمارے رب ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے(۱)

جب لوگوں کی زبان پر یہ جاری ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ظاہری اعمال اور دلوں میں چھپے خیالات پر محاسبہ کرنے والی بات منسوخ کر دی اور یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا کَسَبَتْ وَ عَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جو کچھ نیکیاں اس نے کی ہیں اس کا ثمرہ اسے ملے گا اور جو برائیاں اس نے کی ہیں اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔

اس کے بعد مومنین کی زبان پر جاری رہنے والی دعا بیان کی گئی ہے ﴿رَبَّنَا لَاتُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِینَا اَوْ اَخْطَأنَا﴾ اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو اس پر ہم سے مؤاخذہ نہ کر۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے کہا ''نعم'' یعنی تمہاری یہ دعا مقبول ہوئی میں بھول چوک پر تمہارا مؤاخذہ نہیں کرونگا آگے دوسری دعا بیان کی گئی ہے۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْراً کَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الَّذِینَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ یعنی اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ''نعم'' یعنی یہ دعا بھی مقبول ہے تم پر پچھلی امتوں کے جیسا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، اس کے بعد تیسری دعا بیان کی گئی ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ یعنی اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جو ہماری طاقت سے باہر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ''نعم'' یعنی یہ دعا بھی مقبول ہے میں تم پر ایسا بوجھ نہیں ڈالوں گا جو تمہاری طاقت سے باہر ہے اس کے بعد مزید دعائیں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہیں ﴿وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِین﴾ یعنی ہمیں معاف فرما ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مولیٰ ہے کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کہا ''نعم'' یعنی مؤمنین کی یہ دعا بھی اللہ تعالیٰ نے مقبول فرمائی (۲)۔

۳: عبادات میں رفق کے مظاہر:

اسلام میں فرض کی گئی جملہ عبادات میں رفق و نرمی کا معاملہ رکھا گیا ہے اہم عبادات میں رفق کے مظاہر حسب ذیل ہیں۔

۱:۔ صلاۃ میں رفق و نرمی :

اسلامی عبادات میں صلاۃ کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے جسے ہر مومن پر فرض کیا گیا ہے۔ جو رب کی رضا مندی، گناہوں سے چھٹکارا پانے اور عذاب سے بچاؤ کا ایک اہم سبب ہے، سفر معراج کا

(۱) ۲/البقرۃ:۔۲۸۵۔

(۲) صحیح مسلم:۔ ح:۱۲۵۔ سمجھنے کے لئے اردو میں بعض جملے زیادہ کئے گئے ہیں۔

خصوصی تحفہ اور قلبی سکون کا ذریعہ ہے اس اہم عبادت کی فرضیت کے وقت ہی سے اس میں رفق ونرمی کا معاملہ پایا جاتا ہے، پہلے پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی اور مراجعہ کے بعد پانچ وقت کی نماز باقی رکھی گئی اور اجر وثواب پچاس وقت کا ہی رکھا گیا اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنے پیش رو اہل علم کا قول نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

الا تری انه عزوجل نسخ الخمسین با لخمس قبل ان تصلی ثم تفضل علیهم بان اکمل لهم الثواب.

کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے صلاۃ ادا کئے جانے سے پہلے ہی پچاس وقت کی صلاۃ منسوخ کرکے پانچ وقت کردی پھر ان پر مزید احسان کرتے ہوئے ثواب کو مکمل رکھا ہے(۱)۔

اس کے بعد صلاۃ کی ادائیگی میں شرائط سے لیکر ارکان تک ہر مرحلہ میں حسب ضرورت رفق ونرمی کا معاملہ پایا جاتا ہے۔ اگر پانی میسر نہ ہو یا استعمال سے بیماری بڑھ جانے یا ہلاک ہونے کا ڈر ہے تو مٹی سے تیمّم کرنے کی آسانی ہے، پیر میں موزے پہنے ہوں تو نکال کر پیر دھونے کی مشقت کے بجائے ان پر مسح کرنے کی سہولت رکھی گئی ہے، سر پر عمامہ ہو تو ان پر مسح کرنے کی مشروعیت موجود ہے، چند جگہوں کے استثنیٰ کے ساتھ کسی بھی پاک جگہ پر صلاۃ ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے، سفر میں قصر اور جمع بین الصلاتین کی مشروعیت، سخت گرمی میں ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کی ہدایت، باد وباراں اور راستہ خراب ہونے کی صورت میں جماعت میں حاضری سے رخصت، صلاۃ با جماعت اور کھانا حاضر ہونے کی شکل میں کھانے سے ابتداء کرنے کی ہدایت، قیام کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں بیٹھ کر صلاۃ ادا کرنے کی اجازت، اور بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہ ہونے کی شکل میں پہلو کے بل ادا کرنے کی رخصت، یہ سب رب کائنات کی صفت رفق کے مظاہر ہیں(۲)

ب:۔ زکوٰۃ میں لطف ومہربانی:

زکوٰۃ کی فرضیت رب کائنات کی رفق ومہربانی کا ایک عظیم مظہر ہے جو اس نے بالخصوص فقراء ومساکین کو ادا کرنے کا حکم دے کر کیا ہے لیکن یہ لطف وکرم اور رفق ونرمی صرف زکوٰۃ کے مستحقین تک محدود نہیں ہے بلکہ جن پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے ان کے ساتھ بھی رفق ومروءت کا برتاؤ کیا گیا ہے کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت سے گھریلو سامان اور استعمال کی چیزوں کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے، گھر، گاڑی اور قیمتی سے قیمتی فرنیچر پر زکوٰۃ نہیں رکھی گئی ہے اور جن اموال نامیہ پر زکوٰۃ رکھی گئی ہے ان میں پیداوار کی مشقت اور نمو کی کیفیت کے لحاظ سے قلیل مقدار میں زکوٰۃ فرض کی گئی ہے۔

نیز پیداوار کے علاوہ دیگر اصناف مال میں جو حولانِ حول (یعنی سال گزرنے) کی شرط رکھی گئی ہے اور سال میں صرف ایک مرتبہ فرض کی گئی ہے ان سب پر مستزاد یہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے مال میں ظاہری وباطنی اضافہ کا مژدہ اور آخرت میں اجرِ عظیم کی خوشخبری رب کائنات کے رفق ولطافت کے خزانہ کا ہی ایک حصہ ہے(۳)۔

ج:۔ صیام میں رفق ونرمی:

صوم میں رفق کا سب سے پہلا مظہر یہ ہے کہ اسے سال کے تین سو پچپن دن میں صرف گنتی کے دن یعنی انتیس یا تیس دن ہی فرض کیا گیا ہے نیز مکلّف کے حالات وظروف کے پیش نظر اس میں اختیارات دیئے گئے ہیں اگر کوئی بڑھاپے کے عمر کو پہونچ گیا ہے یا کسی دائمی بیماری میں مبتلا ہے جس کے باعث وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے اس کے لئے یہ گنجائش رکھی گئی کہ وہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے، عطاء سے روایت ہے کہ ترجمان القرآن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾(۴) کی تفسیر میں کہا ہے:

(۱) دیکھئے: (فتح الباری:۔ح:۷۵۱۷ کی شرح)۔

(۲) ان مسائل سے متعلق نصوص ذکر نہیں کئے گئے ہیں کیونکہ اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے، نیز بطور مثال چند باتیں ذکر کی گئی ہیں حصر مقصود نہیں ہے۔

(۳) ان پر دلالت کرنے والے نصوص ان کی شہرت اور مضمون کے اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔

(۴) ۲/البقرۃ:۔۱۸۴۔

لیست منسوخة هو الشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان ان يصوما فيطعمان مكان كل يوم مسكيناً .

یعنی یہ آیت منسوخ نہیں ہے وہ بڑا بوڑھا اور بڑی بوڑھی عورت جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلاتے ہیں۔(۱)

مریض اور مسافر کو یہ رخصت دی گئی کہ وہ حالتِ سفر ومرض میں روزہ نہ رکھے بعد میں اس کی قضا کرے، حامل اور دودھ پلانے والی عورتوں کو یہ رخصت دی گئی کہ اگر روزہ رکھنے سے پیٹ میں پلنے والے بچہ یا دودھ پینے والے بچہ یا اس کی ماں کو پریشانی ہوتی ہے تو وہ روزہ نہ رکھے اور سہولت کے مطابق بعد میں قضا کرے، بیمار اور مسافر سے متعلق سہولت کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ مشکل کا ارادہ نہیں کرتا ہے۔(۲)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

انما رخص لكم فى الفطر عليكم ورحمة بكم.

صحیح اور مقیم پر روزہ کو واجب قرار دینے کے ساتھ تمہارے لئے حالت سفر ومرض میں رخصت تمہارے اوپر آسانی اور تمہارے ساتھ رحمت کا مظہر ہے۔(۳)

د:۔ رفق وتیسیر اور حج:

اسلامی ارکان میں حج کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ بہ یک وقت بدنی و مالی عبادت ہے اور کسی قدر مشقت وتعب سے پر ہے سفر کی صعوبتیں اور جسمانی کلفتیں اس کا حصہ ہونے کے باعث اسے عورتوں کا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ یہ سارے امور اس بات کے متقاضی تھے کہ اس کی فرضیت میں خصوصی طور پر رفق ونرمی کا لحاظ رکھا جائے بنا بریں ہم دیکھتے ہیں کہ رب کائنات نے اسے زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض کیا ہے اور فرضیت میں بھی استطاعت کی شرط رکھی گئی ہے نیز نیابت کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ (۴)

اسی طرح مناسک حج کی ادائیگی کے دوران ہونے والی بعض غلطیوں پر دم واجب کر کے حج کو فاسد ہونے سے بچانے کی سہولت رکھی گئی ہے مزدلفہ سے منیٰ روانگی کے وقت یہ آسانی رکھی گئی ہے کہ کمزور لوگ رات ہی کو منیٰ کے لئے نکل سکتے ہیں جبکہ اس کا اصل وقت دسویں ذی الحجہ کو صلاۃ فجر کے بعد اچھی طرح اجالا پھیل جانے کے بعد ہے حائضہ عورت کے لئے یہ روا رکھا گیا ہے کہ وہ تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوسکتی ہے اگر مکہ پہنچنے کے وقت حیض کی مجبوری کے باعث عمرہ سے محروم ہورہی ہو۔

حج تمتع کرنے والوں کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ مکہ پہنچ کر عمرہ کر کے مکمل حلال ہوجائے نیز اگر قربانی کی استطاعت نہ ہو تو دس روزے کو اس کا بدل قرار دیا گیا ہے۔ حائضہ عورت سے طواف وداع کو ساقط کیا گیا سفر حج کے دوران بعض دنیوی فوائد اور کسب معاش کی اجازت دی گئی ہے۔

(جاری ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

☆☆☆

(۱) صحیح البخاری:۔ح:۴۵۰۵۔

(۲) ۲/البقرۃ:۔۱۸۵۔

(۳) تفسیر ابن کثیر:۔۱/۲۹۲۔

(۴) اگر کوئی شخص مالی لحاظ سے اتنا مضبوط ہے کہ وہ سفر حج کے اخراجات برداشت کرسکتا ہے لیکن جسمانی لحاظ سے مناسک حج کی ادائیگی اور سفر کی صعوبتوں کا متحمل نہیں ہوسکتا ہے تو اس کے لئے یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی ایسے شخص کو حج پر روانہ کرے جو پہلے اپنا حج کر چکا ہو۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: صحیح البخاری:۔حدیث نمبر:۱۳۳۴۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر طریقۂ حج وعمرہ

حاجی کیلئے حج کرنے کے مختلف مراحل

حج تمتع	حج قران	حج افراد
⇩ احرام باندھنا	⇩ احرام باندھنا	⇩ احرام باندھنا
⇩ طواف کرنا	⇩ طواف کرنا	⇩ طواف کرنا
⇩ سعی کرنا	⇩ سعی کرنا	⇩ سعی کرنا
⇩ بال کٹوا کر احرام کھول دینا اور	⇩ نہ بال کٹوانے ہیں نہ احرام کھولنا ہے	⇩ نہ بال کٹوانے ہیں نہ احرام کھولنا ہے
⇩ عام کپڑے پہن لینا ۸ ذوالحجہ کو پھر احرام باندھ لینا	⇩ احرام کی حالت میں منع کردہ چیزوں سے بچنا	⇩ احرام کی حالت میں منع کردہ چیزوں سے بچنا

۸ ذوالحجہ ــــ سب کو مکہ سے منیٰ روانہ ہونا

حج کی اقسام اور ان کی تعریفیں

تمتع	حاجی حج کے مہینوں (شوال ۔ ذوالقعدہ اور ۹ دن ذوالحجہ کے) میں عمرے کا احرام باندھے اور عمرہ کرکے حلال ہوجائے پھر اسی سال حج کے دنوں میں حج کا احرام باندھے اور قربانی کرے ۔ ۲ دفعہ احرام باندھنا ہے اور دو دفعہ ہی سعی ہوگی ۔ عمرہ کی علیحدہ اور حج کی علیحدہ۔
قران	حاجی حج اور عمرے کا اکٹھا احرام باندھے جبکہ اسکی قربانی اسکے ساتھ ہو ۔ عمرہ کے بعد نہ حجامت بنوائے نہ اپنا احرام کھولے ۔ اسے اپنا احرام قربانی کرنے کے بعد کھولنا ہوگا ۔ اس حاجی کو چونکہ ایک دفعہ احرام باندھنا ہوتا ہے ۔ تو ایک ہی دفعہ عمرہ والی سعی کافی ہوگی۔
افراد	حاجی صرف حج کا احرام باندھے ۔ اور دس ذوالحجہ تک احرام میں رہے ۔ قربانی لازمی نہیں ۔ اس حاجی کو چونکہ ایک دفعہ احرام باندھنا ہوتا ہے ۔ تو ایک ہی دفعہ طواف کے ساتھ کی ہوئی سعی کافی ہوگی۔

حائضہ اور نفاس والی عورتیں سوائے طواف کے تمام اعمال حج ادا کرسکتی ہیں احرام سے پہلے اگر اس حالت میں ہیں تو غسل کرکے احرام باندھ لیں۔

منیٰ ← ۹۔ ذوالحجہ کو سورج طلوع ہونے کے بعد منیٰ سے عرفات چلے جانا ← **عرفات** ← اسی دن سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ کو جانا ہے ← **مزدلفہ** ← ۱۰ ذوالحجہ کو صبح کی نماز کے بعد منیٰ کو روانہ ہونا ہے ← **منیٰ** ⟺ اسی دن کو کہتے ہیں **حج اکبر**

منیٰ: منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی (پانچ) نمازیں اپنے اپنے وقت پر قصر ادا کرنی ہیں ۔ یعنی چار رکعت والی نماز دو رکعت ادا کرنا ہوگی۔

عرفات: عرفات میں ہر حاجی ایک اذان کے ساتھ ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کی نماز دو دو رکعت جمع کرکے پڑھے گا اور ہر نماز کیلئے الگ الگ اقامت کہے گا۔

مزدلفہ: حاجی جب مزدلفہ پہنچ جائے تو فوراً ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز جمع اور قصر ادا کرے۔

منیٰ (۱۰ ذوالحجہ): ۱۰ ذوالحجہ کو سورج نکلنے کے بعد صرف بڑے جمرے کو ۷ کنکریاں مارنا ہے ۔ سب کو قربانی کرنا ہے (حج افراد کرنے والے پر قربانی ضروری نہیں اگر کرنا چاہے تو کرسکتا ہے) حجامت کروانے کے بعد غسل سے فارغ ہوکر عام کپڑے پہن لیتے ہیں ۔ سب کو طواف زیارت کرنا ہے۔

حج تمتع والے اب سعی بھی لازمی کریں گے۔

☆ حج افراد والے اگر پہلے طواف کے ساتھ سعی نہیں کرسکے تھے یا سیدھے منیٰ چلے گئے تھے تو انہیں اب سعی کرنا لازمی ہے۔

اگر حرم تک پہنچنے کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ کا اندیشہ ہو تو نیت کرتے وقت یہ الفاظ کہہ لینے چاہئیں ۔ اِنْ حَبَسَنِیْ حَابِسٌ فَمَحِلِّیْ حَیْثُ حَبَسْتَنِیْ

13,12,11 ذوالحجہ یہ ایام تشریق ہیں انکی راتیں منیٰ میں گزارنا لازمی ہے۔

رات منیٰ میں گزارنا ہے

⇐ ۱۱ ذوالحجہ ⇐ ۱۲ ذوالحجہ ⇐ ۱۳ ذوالحجہ ⇐

11 ذوالحجہ کو سورج کے زوال کے بعد پہلے چھوٹے کو جو منیٰ کی طرف ہے ۔ پھر درمیانے کو پھر بڑے جمرے کو سات سات کنکریاں مارنا ہے۔

12 ذوالحجہ کو سورج کے زوال کے بعد پہلے چھوٹے کو جو منیٰ کی طرف ہے ۔ پھر درمیانے کو پھر بڑے جمرے کو سات سات کنکریاں مارنا ہے۔

13 ذوالحجہ کو سورج کے زوال کے بعد پہلے چھوٹے کو جو منیٰ کی طرف ہے ۔ پھر درمیانے کو پھر بڑے جمرے کو سات سات کنکریاں مارنا ہے۔

طواف الوداع کرنا: ہر حاجی کو اپنے شہر واپس لوٹنے پر طواف الوداع کرنا ہے ۔ نہ کرنے پر مکہ میں ایک دم دینا لازمی ہے۔

نوٹ: جو حاجی 12 ذوالحجہ کو زوال کے بعد کنکریاں مار کر واپس اپنے شہر جانا چاہے تو جائز ہے ۔ لیکن اس کو مغرب سے پہلے پہلے منیٰ سے نکلنا ہوگا ۔ ((13 ذوالحجہ کی رمی کرنا (کنکریاں مارنا) افضل ہے))

IIC کی دعوتی سرگرمیاں